ماهنامہ
دستگیر
دہلی

5

VOL. 7 "DASTGIR" DELHI. MARCH 1945. NO. 3



"Love Bunker' — a scene from "LALKAR."

مارچ ۱۹۴۵ء — ہندستان بھر کے ادبی رسائل میں سب سے زیادہ چھپنے والا اور مقبول ماہوار رسالہ — قیمت ۵؍

دستگیر دہلی

جلد ۷ — نمبر ۳

ایڈیٹر:- اعظم جلال آبادی

چندہ سالانہ: تین روپیہ بارہ آنہ
رؤسا و والیان ریاست سے حسب حیثیت

فہرست مضامین

مدیران اعزازی

محمد عبداللہ منتظر — صفیر احسنی جلال آبادی — ہری کرشن تول

(حکیم پنڈت ترلوک ناتھ اعظم نے دیال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر "دستگیر" دریبہ کلاں دہلی سے شائع کیا)

شذرات

ہندستانی طبابت کو شاہی سرپرستی میں لینا ضروری ہے

ہندستان کی سنٹرل گورنمنٹ اور ہر صوبجاتی حکومتوں کا یہ ذاتی فرض ہونا چاہیئے کہ اس وقت جب کہ ہندستان کے برگزیدہ قابل اور لائق ایلوپیتھک ڈاکٹر جنگی خدمات کیلئے ہندستان سے باہر جنگی محاذ پر کام میں لگے ہوئے ہیں ہندستان کی سول آبادی کیلئے طبی امداد ناکافی ہے۔ اسکا نعم البدل اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہندستان کے قدیم طریق علاج (آیورویدک اور یونانی) جو ہزاروں سالوں سے یہاں کے طبائع اور آب و ہوا کی موافقت کی وجہ سے ہر خطرناک سے خطرناک امراض میں مبتلا مریضوں کی بیمتی جانیں بچانے میں ہر طرح سے پیش پیش رہا ہے۔ حکومت کا یہ پہلا فرض تھا کہ وہ اس قدیم طریق علاج کی سرپرستی فراخدلی کے ساتھ کرتی۔ عوام کی زندگی سے کھیلنے والے عطائی لوگوں کی دست برد سے بچانے کیلئے ایلوپیتھک کی طرح لائق و نالائق طبیب اور وئید پیدا کرتی۔ مگر ان مفید عام طبوں کے مقابلہ میں محض ایلوپیتھک کو ترقی دینے کیلئے حکومت ہند نے ایک اہم ترین مجرمانہ غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ انگریزی حکومت نے اپنے شاندار دورِ حکومت میں بھی نہ صرف یہ کہ ان پرانے طریق ہائے علاج کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ بلکہ ان کے برخلاف محاذ بھی قائم رکھا۔ اور مقابلتہً محض ایلوپیتھک کو ہی کھلم کھلا بے شمار مراعات دیکر شاہی اقتدار اور سرپرستی کے ساتھ ایسے ایک طریق علاج کو عوام میں داخل کر دیا۔ مگر خدا کی شان یہ دونوں قدیم طبیں جو درحقیقت تمام جدید طبوں کی ماخذ خیال کی جاتی ہیں۔ اپنے زود اثر اور شافی تاثرات کی وجہ سے اپنے حریف "ایلوپیتھک" کے مقابلہ میں اپنی بے سرو سامانی اور حکومت کی لاپرواہی کے باوجود بھی آج اپنی اسی قدیمی شان کے ساتھ دستگیری کے لئے ہر حالت میں ایلوپیتھک سے پیش پیش نظر آتی ہیں۔

چنانچہ ہندستان کی بعض ذمہ دار صوبجاتی حکومتوں نے اس بات کا بروقت احساس فرلیا ہے۔ کہ فی الحقیقت ان طبوں کے ساتھ غیر واجب سلوک ہوتا رہا ہے۔ اور آج اس جنگ کے دوران میں اگر حکیم اور وئید لوگ موجود نہ ہوتے تو ڈاکٹروں کے جنگ میں چلے جانے کے بعد نہ معلوم ہندستان کی سول آبادی کا کیا حال ہوتا۔ چنانچہ آسام کی وزارت کی باگ ڈور جن ذمہ دار ہاتھوں میں ہے الحمد کے صدر اعلےٰ سر سید محمد سعد اللہ صاحب نے نہایت ہمت اور فراخدلی سے کام لیکر ان طبوں کے باقاعدہ درس و تدریس کیلئے اعلیٰ پیمانہ پر آسام میں طبیہ کالج کھولنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جس کے پہلے سال کی دو کلاسز کے لئے سولہ ہزار کی رقم خطیر گورنمنٹ سے حاصل کر لی گئی ہے۔ اب ہر صوبجاتی حکومت کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے صوبوں میں طبیہ کالج اور طبی ہسپتال وغیرہ قائم کر کے اِس مفید ترین طریق ہائے علاج کی اسی طرح سرپرستی کریں جس طرح ایلوپیتھک ۔

فراخدلی سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ حاملان طب قدیم نے اپنی محنت، قابلیت اور بردباری سے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کر دیا ہے کہ پبلک کے لئے یہ قدیم طریق علاج کسی طرح بھی ایلوپیتھک سے کم مفید ثابت نہیں ہوئے۔ بلکہ سو سالہ عہد ماضی میں ان مفید علاجوں کے ذریعہ ایلوپیتھک سے کہیں زیادہ پبلک کی خدمات سر انجام دی گئی ہیں۔

جناب اعظم مدیر اعلیٰ "دستگیر"

آسام میں تین ماہ کے قیام کے بعد واپس دہلی تشریف لے آئے ہیں۔ جس مقصد کے لئے آپ وہاں گئے تھے خدا کے فضل سے فہو المراد ہو کر واپس لوٹے ہیں۔ آپ کے دل میں بنی نوع آدم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اپنے قدیم "فن طبابت" اور "اُردو ادب" کی خدمات کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ چنانچہ آپ کے متواتر قیمتی مشوروں سے ہی **وزارت آسام** نے طبیّ کالج کی قائمی اور اُردو ادب کو زیادہ سے زیادہ سکولوں میں رائج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ نوجوان سپاہیوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے "انگریزی" کے ساتھ "اُردو" کو لازمی قرار دینے کے لئے حکومت کی توجہ دلائی۔ علم اور اُردو ادب کے مشہور و معروف رسالہ "دستگیر" کو جو کہ آپ کی زیر ادارت پایۂ تخت دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ اسکی ادبی خدمات کا خیال رکھتے ہوئے حکومت آسام نے نہایت فراخدلی کے ساتھ آسام کے تمام سکولوں کے لئے منظوری کا وعدہ فرما لیا ہے۔

آنریبل سر سید محمد سعد اللہ صاحب وزیر اعظم آسام و آنریبل خان بہادر سعید الرحمان صاحب وزیر تعلیم و حضرت ابواللیث صاحب ڈائرکٹر محکمہ تعلیم اور خان بہادر مولوی عطاء الرحمن صاحب پرائیویٹ سکریٹری وزیر اعظم ہر طرح شکریہ کے مستحق ہیں۔

تقدس مآب حضور شہنشاہ جی مہاراج

ان دنوں لکھنؤ میں قیام رکھتے ہیں اور ہولیوں کے دنوں میں آپ نے اپنے عقید تمندوں کو رنگ کی بجائے پھولوں سے ہولی کھلوائی۔ آپ وحدت اور روحانیت کے واحد علمبردار ہیں۔ جو کہ بلا امتیاز مذہب و ملت عوام میں توحید کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔ روحانیت میں سرشار، محبت کا چشمہ صلح و آشتی کا خزانہ، نور الٰہی سے پُر نور ہمیشہ خدائے پاک کی یاد میں مشغول۔ عامل باعمل شہنشاہ جی مہاراج زندہ باد۔

ہندستانی طریقہائے علاج کے ذریعہ جیلخانوں میں طبی امداد

جیل خانوں میں مریض قیدیوں کو طبی امداد پہنچانے کا ذریعہ صرف ایلوپیتھی کو ہی قرار دیا جانا دوسرے طریقہائے علاج کی صریحاً مذمت ہے۔ جیل خانوں کے تقریباً ۹۰ فی صدی قیدی چونکہ آیور ویدک اور یونانی طریقہائے علاج کے عادی ہوتے ہیں اسلئے ان کی خلاف مرضی ان پر زبردستی ایلوپیتھی کو ٹھونسنا اور انکے ساتھ بے انصافی ہے۔ اور بجائے آرام کے اُن کیلئے اور بھی مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ بیمار کی زندگی بچانے کیلئے اسکی صحت کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہے یا ایک خاص قسم کے طریق علاج کا پروپیگنڈا لازمی چیز ہے۔ اب جبکہ ہندستان کے ہر صوبہ میں پبلک حکومت کا تسلط بتایا جاتا ہے تو ہر صوبہ کی ذمہ دار وزارت کا فرض ہے کہ وہ جیل خانوں میں ایلوپیتھی کے ساتھ ساتھ "آیور ویدک" اور "طب یونانی" کے ذریعہ طبی امداد بہم پہنچانے کا بھی خاطر خواہ انتظام کرے تاکہ صحیح معنوں میں بیماروں کی دلجمعی اُن کی حسب منشا انہیں طبی امداد حاصل ہو سکے۔

فلم کمپنیاں

آج کل اکثر فلم کمپنیاں ایسے ایسے ڈرامے ریلیز کر رہی ہیں جو بیسویں صدی میں کسی متمدن ملک میں دکھائے جانے کے قابل نہیں۔ بعض ڈراموں کو دیکھکر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈرامہ نویس نے ڈرامہ لکھتے وقت اِس بات کا یقین کرلیا ہے کہ اسکے ڈرامہ کو دیکھنے والے بیوقوف محض ہونگے۔ جو اس کے غیر فطری کردار کو خوش اعتقادی سے باور کرینگے ایسی تصاویر دیکھنے سے کوئی سلیم العقل انسان حظ نہیں اُٹھا سکتا بلکہ بعض اوقات طبیعت اِس قدر منغض ہو جاتی ہے کہ وہ فلم کمپنی کو گالیاں دیتے ہوئے سنیما ہال سے باہر آجاتا ہے۔ آئندہ ہم ایسی تصاویر پر تنقیدی مضامین کا سلسلہ جاری کرکے اس ذہنی تنزل کو روکنے کی کوشش کریں گے۔

خان بہادر مولوی عطاء الرحمٰن صاحب ایم' اے کا ارسال کردہ مضمون بعنوان "اسلامی تہذیب و تمدن" شائع کیا جا رہا ہے۔ صاحب مضمون نے اسلامی تہذیب و تمدن پر مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے آپ مرنجان مرنج طبیعت کے فرض شناس، علم دوست اور نہایت محنتی باوضع مسلمان ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے درحقیقت پرانی وضع اور تہذیب و تمدن کو قائم رکھا ہوا ہے۔ آپ انگریزی اور عربی دونوں زبانوں کے ایم' اے ہیں۔ اور آسام میں بہت بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ کی شرافت ضرب المثل ہے وزیر اعظم صاحب کو فرض شناسی کی وجہ سے آپ پر پورا پورا اعتماد ہے۔ خدا آپ کو عمر جاوداں عطا فرمائے اور آل و اولاد سے پھولیں پھلیں۔

ریویو

شہنشاہی کیلنڈر ۱۹۴۵ء

شہنشاہی سرو ہتکاری سنگھ لکھنؤ کی طرف سے ہمارے پاس پانچ کیلنڈر بغرض ریویو موصول ہوئے ہیں۔ یہ شاندار کیلنڈر اِس جنگ عظیم کے عہد ماضی کی یاد دلاتے ہیں جبکہ اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کا کاغذ مارکیٹ میں دستیاب ہوسکتا تھا مگر آج کل عنقا نظر آتا ہے۔ زیر ریویو کیلنڈر اعلیٰ قسم کے نایاب آرٹ پیپر پر تین رنگ کے نہایت خوشنما بلاک کے ذریعہ شائع کیا گیا ہے۔ ڈیزاین اور بلاک اور تمام تر محنت لاہور کے مشہور و معروف آرٹسٹ سوامی اودمانند جی مہاراج کی ہے جو کسی زمانہ میں لاہور کے مشہور ایف ڈبلیو کمپنی کے پروپرائٹر ماسٹر نانک چند کے نام سے معروف تھے۔ مگر آج کل حضور شہنشاہ جی مہاراج کے زیر ہدایت فانی دنیا کو ترک کرکے معرفت کے جام نوش فرما رہے ہیں۔ کیلنڈر کے اوپر دیدہ زیب گلکاریوں کے درمیان شری حضور تقدس مآب حضور پرنور شہنشاہ جی مہاراج کی شبیہہ مبارک نمایاں اور واضح طور پر دکھائی گئی ہے۔ دونوں اطراف میں حاشیہ کے طور پر محرابی ستون استوار کرکے اس میں "چوراسی چھیدن" (یا دالیٰ) کے اشعار ہندی زبان میں درج ہیں درمیانی حصہ میں جہاں شہنشاہ معلیٰ کی جلالی اور جمالی شعاعیں اوج ثریا سے دامان گل کو مشکبو کرکے نور پاش کر رہی ہیں۔ اس جگہ پر مالک کل کائنات کی آرتی (حمد) دوسرے کیلنڈر میں بال چھپیا۔ تیسرے میں شہنشاہی اقوال بزبان انگریزی اور چوتھے میں کنارے کے حاشیے میں شہنشاہی بھجن، شہنشاہی اصول وغیرہ درج ہیں۔ غرضکہ گل و گلزار کی مہک کے ساتھ ساتھ شہنشاہی جلال کی آب و تاب بھی پورے طور پر نمایاں ہے۔ ہر کیلنڈر کی قیمت ۸ر اور بڑی شبیہہ والے کیلنڈر کی قیمت ۱۲ر ہے جو کہ درحقیقت برائے نام ہے۔ پانچوں کیلنڈروں کے یکمشت کے خریداروں کو رعایتاً دو روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ شہنشاہی سرو ہتکاری سنگھ کاٹھ کا پل لکھنؤ یا نربھے دھام دہلی

مشاعرۂ دستگیر

مصرع طرح :- یہ کس مضراب سے چھیڑا گیا سازِ رگِ جاں کو

از اعتبار الملک حکیم ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ شاہجہانپوری مدظلہٗ

عبث ہے پند ناصح دیکھ لے اس آفتِ جاں کو
انہیں نظروں سے پھر دیکھے مرے چاکِ گریباں کو

کھنچا آتا ہے دل پہلو سے یوں کھینچو نہ پیکاں کو
سجایا ہے بڑی کاوش سے ہم نے اِس گلستاں کو

مجھے منظور وہ نازِ تبسم اشکِ پیہم پر
مگر دیکھا نہیں جاتا تری چشمِ پشیماں کو

سرِ طور ایک برقِ حسن لہراتی نظر آئی
ذرا شوخی سے جھٹکا تھا کسی نے اپنے داماں کو

خلش بھر دے، طپش بھر دے، نشاطِ زندگی بھر دے
ملے پہلو میں گنجائش جہاں تک نوکِ پیکاں کو

زبانِ نالہ کش مجرم، سلاسل کی صدا مجرم
مصیبت ہے کہاں تک جھیلنے ابنِ قیدِ زنداں کو

اِدھر ظلمت، اُدھر ظلمت، جدھر دیکھا اُدھر ظلمت
کوئی روئے کہاں تک بیکسیِ شامِ ہجراں کو

محبت موج ہے دریا محبت بحرِ بے ساحل
کیا ضبط ایک دل نے اس تلاطم خیز طوفاں کو

مقیدِ فطرتِ آزاد اُس کی رہ نہیں سکتی
کہ جس نے ہر رگِ دل میں سمویا ہر بیاباں کو

مگر عاشق ریاضِ خلد کا وہ پھول سمجھا ہے
کوئی نسبت نہیں جس سے بہارِ صد گلستاں کو

جنوں میں حضرتِ دلؔ قیدِ تنہائی سے کیا حاصل
مقید پہلے کرنا تھا خیالاتِ پریشاں کو

حضرت اخترؔ نگینوی مدظلہٗ تلمیذِ خاص نواب فصیح الملک مرحوم

نہ ہے بندہ نوازی، کچھ نہیں ہے فکرِ [illegible]ں کو
بھلایا شانِ رحمت نے تری یادداشتِ عصیاں کو

مبارک وحشیوں کو، مژدہ ہو اہلِ بیاباں کو
کیا دستِ جنوں کی نذر ہم نے جیب و داماں کو

کوئی کیا دیکھ سکتا اُس کمالِ حسنِ پنہاں کو
نہ دیکھا جا سکا جب ایک ہی شانِ نمایاں کو

اُس آزادی و سیرِ باغ کو پوچھو مرے دل سے
چلے قابو تو لاؤں میں قفس میں ہر گلستاں کو

نگاہِ ناز کیا اُٹھتے ہی دل میں بیٹھ جاتی ہے
ضرورت ایسے ہی نشتر کی ہے میری رگِ جاں کو

ہم اے دیوانگی! کس کس کو رکھ سکتے حفاظت سے
نظر دامن پہ تھی۔ دیکھا اُدھر غائب گریباں کو

گذاری زندگی لطفِ جہاں سے بے خبر ہو کر
گلستاں میں رہے، لیکن نہیں دیکھا گلستاں کو

پہنچ جاتی ہے کُنہِ معرفت تک ہر نظر کیسی
کوئی کیا جان سکتا ہے نگاہِ اہلِ عرفاں کو

توقع ان جنوں سامانیوں میں کیا رہائی کی
گریباں چاک کر ڈالا، اُڑایا خاکِ زنداں کو

سرِ محشر، یہ ہے اُمید تجھ سے پنجۂ وحشت
کہ ٹکڑے کر کے چھوڑیگا مرے دامانِ عصیاں کو

ہوائے انقلابِ دہر سے اک روز دیکھیں گے
بیاباں میں گلستاں کو، گلستاں میں بیاباں کو

پشیماں شکوۂ بے اعتنائی سے ہوا اختر
پشیماں دیکھ کر ہم، کسی چشمِ پشیماں کو

جناب غضنفر کاظمی نگینوی خلف حضرت اختر نگینوی

نکالا ہے مجھے گھر سے، دکھایا ہے بیاباں کو
دعائیں دل سے دیتا ہوں جنونِ فتنہ ساماں کو
کبھی دن بھی نہ چین کر بھر سکے پھولوں سے دامن کو
الٰہی آتشِ گل سے لگے آگ اِس گلستاں کو
اسیری سے رہا ہو کر وہی شوقِ اسیری ہے
کہ تکتا جا رہا ہوں ہر قدم پر مڑ کے زنداں کو
دکھایا ہے اثر اس عالمِ وحشت نے کیا اپنا
بیاباں کر دیا ہر ذرۂ خاکِ بیاباں کو
نظر آتا نہیں ہے فرق اے دستِ جنوں کچھ بھی
گریباں سے ملا کر دیکھتا ہوں روز داماں کو
اضافہ ہو گیا ہے میری میعادِ اسیری میں
مبارکباد پہنچا دے کوئی ہر اہلِ زنداں کو
خدا رکھے یہ ہنگامِ ضرورت کام آئے گی
کہ رکھ لوں توڑ کر پیکاں سے دل میں نوکِ پیکاں کو
کہیں مل جائے آگاہِ حدودِ معرفت کوئی
ہم اُس سے پوچھ لیں گے راہِ منزلہائے عرفاں کو
حقیقت میں اگر ہوں تو حقیقت بیں نگاہیں ہوں
غضنفر جلوۂ قدرت نظر آ جائے انساں کو

جناب محمد غالب اشک ——— راولپنڈی

اگر سن لیں چمن والے مرے غم ہائے پنہاں کو
غمِ سوزِ تپاں سے پھونک دیں بزمِ گلستاں کو
چمن میں کون لیکر یہ جمالِ برق پاش آیا
بہ رنگِ شمعِ آتشِ خاموش پاتا ہوں گلستاں کو
ہوا ہوں اس قدر وابستۂ اندوہِ ناکامی
سمجھتا ہوں حصولِ زندگی غم ہائے پنہاں کو
تصور مٹ چکا وہ چل دیئے یہ کیا قیامت ہے
وہ پھر بھی یاد آتے ہیں دلِ آشفتہ ساماں کو
کسی کی یاد میں اکثر جدا ہو کر زمانے سے
بناتا ہوں میں رشتہ کہکشاں کا تارِ مژگاں کو
وہ پروانے اُٹھے لے کر خیالِ شمعِ آزادی
وہ آئینِ کہن بدلا! مبارک اہلِ زنداں کو
حیاتِ جاودانی ہے سفینہ ناز ہو جانا
کہ ظلمت موت کی ہے نورِ ہستی کے شبستاں کو
کسی جانِ تمنا کو اِن اشعارِ شگفتہ سے!
سُنانا حالِ دل مطلوب ہے اشکِ سخنداں کو

جناب منوہر لال شہید علی پور (مظفر گڈھ)

اگر پرزے کیا ہے اے جنوں میرے گریباں کو
نہ کر اب چاک دامانِ بہارِ گل بہ داماں کو
جگر پارے ہیں اپنے سونپ تو دوں چشمِ گریاں کو
مگر ڈرتا ہوں یہ افشا نہ کر دے رازِ پنہاں کو
پیامِ مرگ ہے جب آ، اس کی شمعِ سوزاں کو
کہے وہ خیر مقدم کس طرح ہاں سے صبحِ خنداں کو
یہ بھولے سے مری دنیائے دل میں کون آ نکلا
پریشاں کر دیا کس نے مرے خوابِ پریشاں کو
فرشتوں کی جبیں روشن ہے خاکِ پائے آدم سے
طلب ہے جنتِ موہوم کی اس پر بھی انساں کو
کبھی شبنم کے قطروں سے بھی وہ وجہ فنا پوچھی
چمن کی زندگی جو کہہ رہے ہیں مہرِ تاباں کو
ربابِ دہر کے ہر تار میں ہے گونج نغموں کی
یہ کس مضراب سے چھیڑا گیا سازِ رگِ جاں کو
ہزاروں مرتبہ توبہ سے توبہ کر چکا ہوں میں
کہ یاد آتا ہے پیمانہ، بھلا دیتا ہوں پیماں کو
مرے دل میں شہید آ کر رہیں تو وہ رہیں کیونکر
پسند آتا نہیں اُجڑا سا گھر ذیشان مہماں کو

جناب ماہر احسنی بتھوی

نقابِ رُخ کے اُٹھتے ہی تڑپ جاتی ہے اک بجلی
نظر کب دیکھ سکتی ہے جمالِ برق ساماں کو
بتو تم کو خدا والے نہیں دل اپنا دے سکتے
مسخر کر نہیں سکتے ہو تم کامل مسلماں کو

مجھے اسکی نہیں پروا، دل زخمی مرا ہوگا
اگر چاہو، چلا کر دیکھ لو تم اپنے پیکاں کو

تری رحمت سے وابستہ ہیں میری سب تمنائیں
گلِ مقصود سے بھر دے الٰہی میرے داماں کو

مصیبت میں تحمل کی ضرورت ہے تمہیں آہیر
ہمیشہ صبر کرنا چاہیئے مشکل میں انساں کو

جناب بیتاب نظیری مظفر نگری

کبھی میں چاک کر کے پھینکتا ہوں جیب و داماں کو
کبھی پھر خود گلے میں ڈال لیتا ہوں گریباں کو

فغاں سینہ میں، طلاطم آہ، دریا دیدۂ تر میں
میں خود اپنے سفینہ میں لئے پھرتا ہوں طوفاں کو

یہ تھوڑی ضد نہیں تھی چرخ سے گر کر مجھے پھونکا
بہت ہی فاصلہ تھا آشیاں سے برقِ سوزاں کو

کہیں ایسا نہ ہو قاتل مجھے کہنے لگے دنیا
کہیں زخمِ جگر منہ پر نہ رکھ لے تیرے پیکاں کو

ہاں زخم ہیں اب اور فریاد منظالم ہے
یہ کس مضراب سے چھیڑا گیا تارِ رگِ جاں کو

رفو ہوتا ہے کا بخیہ کر مجلت ہے کیا ایسی
ذرا بھی کھول کر ہم چاک تو کر لیں گریباں کو

نہیں چھپتا چھپائے رازِ الفت کیا کیا جائے
دلِ بیتاب ظاہر کر رہا ہے دردِ پنہاں کو

صغیر احسنی

پیامِ زندگانی دے گئی بیمارِ ہجراں کو
دعائیں دے نہ کیونکر دل نگاہِ فتنہ ساماں کو

یہ مانا ماسوا کا غم نہیں قلبِ پریشاں کو
تری مضرابِ غم ہی کم ہے کیا تارِ رگِ جاں کو

کسی صورت سے مرگِ نذلیت کا بھی مرحلہ طے ہو
کوئی غارت گرِ دل لوٹ لے دنیائے ارماں کو

ابھی کل بھی نہ آئی تھی شہیدِ نازکو تیرے
ابھی پھر کر دیا محشرستاں شہرِ خموشاں کو

چلا کر تیرِ نازاں عبث فکرِ تجسس ہے
یہ کب ممکن ہے سینے سے لگا لوں میں نہ پیکاں کو

مقابل آئینے کے روئے زیبا دیکھنے والے
بنیں خود ہی نہ حیراں دیکھکر تصویرِ حیراں کو

اگر دامن سلامت ہے تو یہ دھبے نہ چھوٹیں گے
قیامت تک ستم اب دھوتے رہو خونِ شہیداں کو

تری غفلت شعاری پہ مری بربادیاں صدقے
بنا دے صبحِ خنداں تو مری شامِ غریباں کو

سرشت اسکی محبت ہے، محبت سر بسر غم ہے
ازل سے کیوں نہ ملتا پھر غمِ دارین انساں کو

نہ وبالا سر رہ، پھر مری خودداریاں ہونگی
نہ دو جنبش خدارا تم نگاہِ فتنہ ساماں کو

قفس کی تیلیاں تھیں اور چشمِ خونفشاں ہمدم
نہ کرتا یاد کیوں رنگینیٔ صبحِ گلستاں کو

کٹے گی بے تکلف زندگانی اے صغیر اپنی
سجا لوں سوختہ سامانیوں سے قلبِ ویراں کو

شوکت کے نام

(از جناب ظفر واسطی شاہ آبادی)

شوکت صاحب! میں آپ کے خط کا جواب لکھنے بیٹھا تھا کہ منتظر صاحب آ پہنچے اور ایک عدد افسانے کی فرمائش کر دی۔ اب میرے ذمہ دو کام ہو گئے تھے۔ آپ کو جواب بھی لکھنا تھا اور اُن کی فرمائش بھی پوری کرنی تھی۔ میں نے سوچا کہ ایک پنتھ دو کاج والی بات کرنا چاہیئے۔ لہٰذا منتظر صاحب کی معرفت آپ کو جواب لکھ رہا ہوں۔

آپ کی اُردو سبھا بہت اچھا کام کر رہی ہے۔ میں نے اس کی مفصل روداد "مظلوم دنیا" میں پڑھی تھی۔ علامہ تاجور صاحب کو صدر انتخاب کرنے کیلئے میں آپ لوگوں کی دُور رس نگاہوں کی داد دیتا ہوں اور شاعروں کا تعارف جس صاحب نے لکھا تھا خوب لکھا تھا۔ گو دو تین جگہ الفاظ کی تکرار اچھی معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ بعض شاعروں کی طبیعتیں ایک جیسی ہوں اس لئے اُن کے واسطے بالکل وہی الفاظ استعمال کرنا پڑے۔

آپ کو اجمل کی شادی میں شامل نہ ہونے کا بہت افسوس ہے اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ آخر ایک دوست کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا افسوس اگر ایک دوست کو نہ ہوگا تو اور کسے ہوگا۔ لیکن یہ آپ نے کیا لکھا کہ شادی نوجوان کی سب سے بڑی تمنّا ہوتی ہے۔ اور جب اس تمنّا کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ بہت خوش ہو۔ زندگی پر قہقہے لگائے۔ ماضی پر نقاب ڈال دے اور مستقبل کو خوش آیند سپنوں سے بسا لے لیکن میں نے ایسے نوجوان بھی دیکھے ہیں جو شادی اور عورت کو کوئی وقعت نہیں دیتے وہ کہتے ہیں کہ آدمی کے پاس روپیہ ہونا چاہیئے پھر وہ بڑی سے بڑی عورت کو بیوی بنا سکتا ہے۔ اور پھر غلام ملک میں رہکر شادی کی آرزو کرنیکا یہ مطلب ہوا کہ غلاموں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی آرزو کر رہے ہیں۔ اے کاش نوجوان شادی اور بیوی کے جھمیلوں میں پڑنے کی بجائے اپنی اور اپنے ملک کی قسمت بنانے کی فکر کرتے۔ لیکن یہ باتیں میں آپ جیسے متاہل نوجوان کو کیوں لکھ رہا ہوں آپ کو ماشاء اللہ ابھی شادی اور کیا کچھ کرنا ہے۔ ہاں تو اجمل نے شادی میں شامل نہ ہونیکی سزا کے طور پر آپ کا حقہ پانی بند کرنیکا الٹی میٹم دیا ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ حقہ نہیں پیتے۔ اب رہا پانی تو یہ سوچ لیجئے کہ آپ شاعر ہیں اور پانی کا کام خونِ دل سے چل جائیگا یا نہیں۔

مجھے خود اجمل اور صدر کی شادیوں میں شامل نہ ہو سکنے کا افسوس ہے خاص طور پر صدر کی شادی میں شرکت نہ کر سکنے کا تو بیحد ہی افسوس ہے کتنی مدت سے ہم اس دن کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ دن آیا تو ملازمت کا برا ہو کہ چھٹی نہ مل سکی۔ میں اور پیر جی کئی سال سے اس تقریب سعید کے منتظر تھے۔ ہاں کئی سال ہوئے میں نے سہرا لکھ ڈالا تھا اور پیر جی نے ساڑی خرید لی تھی۔ پھر ایک اور دوست کی شادی آ گئی اور سہرا اور ساڑی اُن کی نذر ہو گئی ہم نے اسی طرح کئی مرتبہ سہرے اور ساڑیاں تیار کئے اور کئی مرتبہ دوسرے دوستوں کی شادیاں ہو گئیں اور یہ دونوں ان کے اور انکی بیویوں کے کام آ گئیں۔ اب صدر کی شادی کا خط آیا تو میرا دماغ خالی تھا اور پیر جی کی جیب۔ ظاہر ہے کہ جب دماغ اور جیب خالی ہوں تو نہ سہرا کہا جا سکتا ہے اور نہ ساڑی خریدی جا سکتی ہے۔ لہٰذا شادی میں نہ ہمارا سہرا پہنچ سکا نہ ساڑی لیکن شکر ہے کہ شادی نے ان دونوں تحفوں کا انتظار نہیں کیا۔ خدا صدر کو مبارک کرے۔

آپ نے مجھ سے شادیوں کے حالات تفصیل سے لکھنے کی درخواست کی تھی۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ حالات مجھے صرف اتنے ہی معلوم ہیں جتنے کہ آپ کو۔ ہاں البتہ ابھی تین چار دن ہوئے میں وطن گیا تھا تو وہاں کا ایک واقعہ ضرور سپرد قلم کئے جانے کے قابل ہے۔

ایک صاحب ش ہیں جو جوتے کا کاروبار کرتے ہیں۔ انکا دماغی توازن کچھ بگڑ گیا ہے لیکن لطف یہ ہے کہ اسکے باوصف وہ بہت کام کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ گھنٹوں انکی باتیں سُنتے رہیئے لیکن آپ کا دل نہیں اُکتائیگا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انکا دماغ عشق کی وجہ سے متزلزل ہوا ہے یا وظیفہ اُلٹنے سے یا بخار اور کونین کی گرمی سے۔ وہاں تینوں باتیں مشہور ہیں۔ لیکن پہلی بات زیادہ قابل یقین ہے۔ کیونکہ وہ لیڈی ڈاکٹر کا بہت ورد رکھتے ہیں۔ اور جب اس کا نام سُنتے ہیں یا خود دُہراتے ہیں تو دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حظ محسوس ہو رہا ہے۔ کبھی اسے کوئی فرسٹ کلاس جوتا دے آتے

[illegible] عیبت میں آگئی۔ کیا کرے [illegible] ں وگرنہ یہ [illegible] دونوں صورتوں میں بدنامی لازمی۔

خدا ہمیں [illegible] اور نیم پاگلوں سے بچائے۔

[illegible] صاحب مجھے ملے تو دیکھتے ہی حسبِ معمول سلام کیا۔ ہاتھ ملایا مزاج پوچھے اور کہنے لگے آپ کیسے شاعر ہیں جو دوسروں کے اشعار اپنے نام سے سناتے ہیں۔ انکی بات سنی تو میں حیرت سے انکی صورت تکنے لگا۔ اوّل تو میں شاعر نہیں ہوں۔ پھر میں نے کبھی انہیں اشعار نہیں سنائے۔ اسکے علاوہ وہ ہمیشہ میرا ادب کرتے تھے۔ لیکن یہ حیرت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ انہوں نے فوراً ہی کہا دیکھئے میں آپ کو اپنا کلام سناتا ہوں۔ اور وہیں گلی میں کھڑے کھڑے گلا پھاڑ کر گانا شروع کر دیا ؎

اسپتال میں ایک لیڈی ڈاکٹر ــــ اس کا نام ہے

اس کے عشق میں مر جانا بوٹ مرچنٹ کا کام ہے

اب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ حضرت اپنے آپ میں نہیں ہیں پھر تو میں نے ان سے خوب ہی انکا کلام سنا

لیکن دو باتوں پر اب بھی تعجب ہے۔ ایک تو یہ کہ گفتگو کے دوران میں کوئی کوئی بات پتہ کی کہہ جاتے ہیں۔ دوسرے اپنی دوکان کے متعلق سب باتیں ٹھکانے کی کرتے ہیں۔ مثلاً جوتے کی قیمت بتانا، دام لینا۔

یہ عشق بھی کیسی بُری بلا ہے ایک اچھے خاصے عقلمند آدمی کو دیوانہ بنا دیا۔ بات میں بات نکلتی ہے۔ [illegible]ش کے عشق سے تو جانور بھی متاثر ہو گئے۔ خدا جانے یہ مرض ہی متعدی ہے یا صرف کمزور دماغوں ہی پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ بہرحال واقعہ یہ ہے کہ ایک کتے نے جو [illegible]ش کے عشق کے نغمے سنے تو اسے بھی آگے بیٹھا رہتا تھا۔ لیکن غریب تھا کتا۔ ڈاکٹرنی یا کسی سے کیا عشق کرتا۔ پھر اس نے کہیں سے یہ شعر بھی سن رکھا تھا ؎

اپنی حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں

جو کتا جس جگہ ہے وہیں کامیاب ہے

تو اس نے ایک ڈاکٹر صاحب کی کتیا پر نگاہِ انتخاب ڈالی۔ کتیا کنواری بھی تھی اور ناتجربہ کار بھی۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئی اور چھپ چھپ کر ملنے لگی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپ سکتے۔ رفتہ رفتہ ڈاکٹر صاحب کو پتہ چل گیا تو انہوں نے جیسا کہ ایسے موقعوں اکثر ہوتا ہے کتیا کو تو بالکل بے قصور سمجھ لیا اور کتے کو سزا دینے کی ٹھان لی۔ بات بھی درست تھی۔ کتیا اکثر زنجیر سے بندھی رہتی تھی کتا اسکے پاس وہیں آجاتا تھا۔ تو ایک دن جب کتا کتیا سے محبت کی باتیں کر رہا تھا تو ڈاکٹر صاحب اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا سا لٹھ لئے ہوئے دبے پاؤں گئے اور ایک بھرپور ہاتھ کتے کے سر پر دیا۔ کتا ایک چیخ مار [illegible] گیا۔ لیکن کتیا کی چالاکی دیکھئے کہ جا کر ڈاکٹر صاحب کے اردگرد پھرنے لگی اور دم ہلانے لگی۔ جیسے کہہ رہی تھی کہ میری کوئی خطا نہیں۔ یہ کم بخت مجھے بہکاتا تھا آپ نے بہت اچھا کیا جو اسے مارا۔

کتا بڑی دیر تک یونہی بے سُدھ پڑا رہا۔ ڈاکٹر سمجھا کہ مر گیا لہٰذا مہتر سے کہا کہ اسے اٹھا کر کہیں پھینک آئے۔ لیکن مہتر کا ہاتھ لگانا تھا کہ کتا چھلانگ مار کر بھاگ گیا۔ مگر عشق کی آگ جو دل میں لگ چکی تھی وہ لٹھ کی چوٹ سے کیونکر بجھ جاتی۔ دو تین دن بعد پھر وہیں جا پہنچا۔ کتیا کی اور عیاری ملاحظہ کیجئے کہ اس کے سامنے ڈاکٹر کو ہزاروں گالیاں اور کوسنے دیئے اور کہا مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں ایسے ظالم ڈاکٹر کے پاس نہیں رہ سکتی۔ لیکن کتا عقلمند تھا۔ اُس نے کہا میں آوارہ گرد ہوں میرے ساتھ جا کر تم خوش نہ رہ سکو گی۔ یہاں جو تمہیں انواع و اقسام کے کھانے ملتے ہیں اور جو نعمتیں میسّر ہیں وہ میں مہیا نہ کر سکوں گا۔ قصہ مختصر پھر ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔ لیکن بہت احتیاط کے ساتھ۔ اُدھر ڈاکٹر صاحب بھی ٹوہ میں تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنے پیشہ کی مدد سے اسکا سدباب کرنے کی ٹھان لی۔ اور روٹی کا ٹکڑا زہر میں ڈبو کر اُس کے آگے پھینک دیا۔ کتے نے بے سوچے سمجھے ایک دم شوق میں وہ ٹکڑا کھا لیا۔ آخر کتیا کے گھر کا تھا۔ اُدھر ٹکڑے کا حلق سے نیچے اُترنا اور اُدھر یہ تڑپ تڑپ کر بیہوش ہو گیا۔ کتیا پھر اُسے چھوڑ کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ گئی۔ وہ بیچارا پھر وہیں کئی گھنٹے ادھ موا سا پڑا رہا۔ لیکن آدھی رات کے قریب اُسے ایک قے آئی اور سارا زہر نکل گیا۔

چند دن پھر الگ الگ پھرتا رہا لیکن نہ رہا گیا۔ اور پھر جان "پنجے" پر رکھ کر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر نے اس مرتبہ جو اُسے کتیا کے پاس دیکھا تو اُنہیں بہت ہی غصہ آیا۔ اور بات بھی تھی غصہ کی۔ کتیا بہت اعلیٰ نسل کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب چاہتے تھے کہ وہ کسی ویسے ہی اعلیٰ نسل کے کتے سے ملے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی بندوق سنبھالی اور تاک کر نشانہ لگایا۔ لیکن کتے کی زندگی تھی نشانہ خطا کر گیا۔ اُنہوں نے اور زیادہ بل کھا کر دوسری گولی چلائی۔ کتا اس دفعہ پرے بھاگ گیا۔ لیکن بدقسمتی سے کتیا زنجیر میں بندھی ہوئی تھی وہ زد میں آگئی۔

آپ کو شاید کتے اور کتیا کا یہ واقعہ بہت عجیب معلوم ہو لیکن یہ ایک سچا واقعہ ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ حقیقتیں افسانوں سے زیادہ عجیب ہوتی ہیں۔

اُمید ہے کہ آپ سب بخیریت ہونگے۔

ظفر واسطی

غزل

از حضرت احسان دانش

گذاری اس طرح سے مدتوں ہی زندگی ہم نے
گرجتے انقلابوں کی اُڑائی ہے ہنسی ہم نے

ہمیں مستی بھی حاصل ہے ہمیں ہستی بھی حاصل ہے
کیا ہے بیخودی کے ساتھ پیمانِ خودی ہم نے

پکارا حُسن نے آواز دی بڑھ بڑھ کے دولت نے
اُٹھا کر آنکھ دیکھا بھی نہ دُنیا کو کبھی ہم نے

کوئی پوچھے امیرِ کارواں کی کیا خطا اِس میں
سفر میں کیوں کمر منزل سے پہلے کھول دی ہم نے

ابھی اِنسان کی آنکھوں سے اوجھل ہے مقام اپنا
ابھی دیکھا نہیں ہے زندگی کو زندگی ہم نے

بُتوں میں تیرے جلوے دیکھکر کرلی ہیں بند آنکھیں
روا رکھی نہ ترمیمِ طریقِ بندگی ہم نے

ہمیں کو حق پہنچتا ہے تری چشمِ عنایت کا
کہ ڈالی ہے تری عظمت پہ اب تک روشنی ہم نے

گُماں ہونے لگا پروردگار آدمیت کا
بلند اِتنا کیا اپنا مذاقِ بندگی ہم نے

ارے او باعثِ جوشِ بغاوت پوچھنے والے
کبھی دیکھا ہے اپنی زندگی کو زندگی ہم نے

ضمیرِ شام و قلبِ صبح اس کاوش کے شاہد ہیں
نکالی ہے اندھیروں کے لہو سے روشنی ہم نے

سمجھتے تھے اصولِ زندگی کو زندگی لیکن
تری خاطر بدل ڈالے اصولِ زندگی ہم نے

ہمارے سامنے جب حُسن کی فطرت پہ حرف آیا
تو بڑھکر جھونک دی آتش کدوں میں زندگی ہم نے

ہمارے بے ریا سجدے تھے اور تیغوں کی محرابیں
بنایا تھا شعارِ بندگی کو بندگی ہم نے

پھٹے خیموں سے ٹوٹی کشتیوں سے، ریگزاروں سے
دیئے ہیں زندگی کو آفتابِ زندگی ہم نے

جہاں سائنس محوِ رقص ہے، حکمت غزلخواں ہے
جلائے ہیں یہاں پہلے چراغِ آگہی ہم نے

یہ اِک مُردوں کی دُنیا ہے یہ اک لاشوں کی بستی ہے
کہاں چھیڑا ہے احسان آ کے سازِ زندگی ہم نے

یادِ ماضی

(از جناب فدا شاہجہاں پوری)

جناب فدا شاہجہاں پوری مدیر اعلیٰ "حسن پرست" بزم دستگیر میں پہلی مرتبہ شرکت فرما رہے ہیں بوصوف پختہ مشق شاعر ہونے کے علاوہ بہترین افسانہ نویس بھی ہیں۔ پنجاب کے چند جرائد آپ کی محنت شاقہ کی بدولت زندہ ہیں۔ آپ کی ادب پروری کے وہ حضرات بخوبی عامل وشاہد ہیں جنہوں نے ماہنامہ حسن پرست کی موجودہ اور گزشتہ ایک سال کی فائلوں کا مطالعہ کیا ہے۔
امید ہے جناب فدا آئندہ بھی بزم دستگیر میں شرکت فرما کر شکر گزاری کا موقعہ دینگے۔ (ادارہ)

ماہ مئی کا آغاز تھا آسمان پر چاند اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ فضا پر مکمل سکوت طاری تھا۔ صرف گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی صحن میں رکھے ہوئے پھولوں کے گملوں کے درمیان پڑی ہوئی کرسی پر میں خیالات کی الجھن اور جذبات کی کشمکش میں مبتلا بیٹھا تھا۔ میرے ہاتھ میں حضرت یزدانی جالندھری کا افسانہ "ماسٹر جی" تھا اور میں اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ افسانہ بیحد دلچسپ تھا۔ مگر جانے کیوں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ دو چار سطریں پڑھنے کے بعد اسے میز پر رکھ دیتا۔ پھر اٹھاتا اور پھر رکھ دیتا۔ کبھی کبھی چاندنی میں نکھرے ہوئے نیلے آسمان کی طرف بھی دیکھ لیتا۔ چاند کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ میرا مذاق اڑا رہا ہے۔

دل میں ایک سوال پیدا ہوتا۔ "اس مستعار زندگی کی کوئی قیمت ہے یا نہیں؟ اس چندروزہ زندگی میں دنیا بھر کی فضولیات جمع کر کے ہم لوگ خوشی کیوں محسوس کرتے ہیں؟ شاید یہی ہے اس زندگی کی قیمت!"

میں ہوں تو نوجوان۔ لیکن تنہائی کا شکار۔ کائنات عالم میں مجھے اپنا کہنے والا کوئی نہیں اور نہ میں ہی کسی کو اپنا کہہ سکتا ہوں۔ سوائے ایک نوکر سیوا کے ــــ بھولا بھالا معصوم سیوا۔ عمر دس کے لگ بھگ۔ میلا سا پاجامہ اور پھٹی ہوئی قمیص پہنے، اپنا من بھاتا گیت گنگناتا ہوا سب کام کرتا رہتا ہے۔ اسے نہ موسم کی فکر ہے نہ تکلیف۔ بعض اوقات میرے چہرے کے مایوس کن تاثرات سے متاثر ہو کر ہمدردانہ لہجہ میں پوچھ لیتا ہے۔

"بابو جی! اتنے اداس کیوں ہیں آپ؟"

"نہیں تو" ــــ کہنے کو تو میں کہہ دیتا ہوں۔ لیکن حقیقت میرے سینے میں ایک خلش سی پیدا کر دیتی ہے۔ اپنے آپ پر بے حد غصہ آتا ہے۔ جھنجھلا اٹھتا ہوں۔ "آخر تو اداس ہے ہی کیوں؟" یکایک خیالات کی ایک رو آتی ہے اور میں اس کی روانی میں تنکے کی طرح بہہ جاتا ہوں۔

میرے کمرے کے سامنے ہی اس کا مکان تھا۔ میری متجسس نگاہیں ادھر ہی لگی رہتیں۔ جیسے ہی وہ برآمدے میں آتی تھی میں کمرے سے نکل آتا اور محبت بھری نظروں سے اسکو دیکھتا رہتا۔ میری نظر بچا کر وہ بھی مجھے دیکھ لیتی۔ لیکن نگاہیں ملتے ہی ایک برق پاش تبسم سے میرے خرمن قرار پر بجلی گراتی ہوئی روپوش ہو جاتی۔ کبھی کواڑ کی اوٹ میں اور کبھی برآمدے کے ستون کے پیچھے۔

چندروز اسی تاک جھانک میں گزرے۔ اس کے بعد مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسکی محبت میرے رگ وپے میں سرایت کر گئی ہے پھول سا شگفتہ چہرہ، بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں۔ پتلے پتلے عنابی ہونٹ ہر وقت میری نظروں میں رقصاں رہتے۔ برآمدے میں کھڑی ہوئی آشا کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا کہ وہ زبان حال سے کہہ رہی ہے "اگر تم اجازت دو تو اپنی زندگی کا سرمایہ، حقیر و ناچیز تحفہ تمہارے قدموں کی نذر کر دوں"

"تمہیں اجازت ہے!" میں کہہ اٹھتا۔ اس وقت میرے ضمیر سے ایک آواز آتی۔

"اے جوانی کے نشے میں مدہوش اندھے! پہلے اچھی طرح غور تو کرلے کہ اس کا انجام کیا ہوگا —— محبت کے ساتھ ہی تیری مسرتوں کا خاتمہ!"

میری محبت و مسرت کا خاتمہ! نہیں۔ ہرگز نہیں جس کیف آفریں خواب کے نشے میں مدہوش ہوکر خود کو بھی کھو بیٹھا ہوں۔ اس کا خاتمہ! کبھی نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

آشا کے والدین اس دوراہے پر کھڑے تھے جہاں سے مفلسی بالکل نزدیک اور امارت کوسوں دور تھی —— اپنی غربت و ناداری کے پیش نظر ان کی خواہش تھی کہ جہاں تک ہوسکے جلد از جلد آشا کی شادی کے بارے سبکدوش ہوجائیں۔ اور پھر زمانہ نازک ہے۔ اور لڑکی نوجوان!

چند روز ہی کی تگ و دو سے آشا کی شادی طے ہوگئی۔ دل پر ایک کاری ضرب لگی وہ پاش پاش ہوجائیگا۔ مصائب و آلام کا شکار بننا ہوگا یہ تمام باتیں جانتے ہوئے بھی وہ شادی سے انکار نہ کرسکی۔ کیونکہ وہ ایک ہندوستانی لڑکی تھی جس کا فرض ہی یہ ہے کہ والدین کا ہر جائز و ناجائز حکم بسر و چشم بجالائے۔ سینے میں خواہ نشتر کی بجائے نیزہ ہی کیوں نہ چبھو دیا جائے مگر وہ آف تک نہ کرسکے۔ ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہوئے والدین کی آن بان پر ہنستے ہنستے قربان ہوجائے —— آہ مظلوم ہندوستانی لڑکی!

وہ برآمدے میں کھڑی اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں بھی اُسے دیکھنے میں ہمہ تن محو تھا کہ کسی نے پیچھے سے آکر ننھی اور نرم و نازک انگلیوں سے مجھے گدگدانا شروع کیا۔ میں چونک پڑا۔ گھوم کر دیکھا تو رجنی کو کھڑے پایا —— ننھی سی بچی تقریباً آٹھ سال کی —— آشا کی چھوٹی بہن!

"کیا ہے رجنی؟" میں نے محبت آمیز لہجہ میں پوچھا۔

"دیدی نے بُلایا ہے آپ کو!"

"کیوں؟"

"مجھے کیا معلوم۔"

"ان سے کہہ دو میں نہیں آتا"

"کیسے نہیں آئیں گے بھلا۔ دیدی کل چلی جو جائے گی!"

"کہاں؟"

"اپنے دولہا کے ہاں —— میں بھی جاؤں گی۔"

"اچھا!"

"ہوں اُوں۔" کہکر وہ بھاگ گئی۔

"مجھے جانا ہوگا۔ آخری ملاقات کے لئے۔ جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا۔ محبت کا خاتمہ کرنے نہیں۔ بلکہ اسے زندہ جاوید بنانے!" میں نے دِل میں فیصلہ کیا۔

چھم چھم ...... چھم چھم ......

آشا آرہی تھی۔ اس کے پاؤں میں پازیب تھی سُرخ ساڑی میں ملبوس۔ بلا کی حسین معلوم ہورہی تھی۔ مانگ میں بھرا ہوا سیندور حُسن کو اور بھی دوبالا کررہا تھا۔ لیکن آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ پھول سا شگفتہ چہرہ مُرجھایا ہوا تھا۔ وہ میرے نزدیک آکر کھڑی ہوگئی۔

"تم نے بلایا تھا مجھے؟" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں؟ —— ارے رو رہی ہے تُو تو سسرال جاتے ہوئے بھلا روتا ہے کوئی؟ —— ہاں تو کیوں بلایا تھا مجھے؟"

"آخری بار اجازت رخصت لینے کے لئے۔" اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ جُھک کر میرے پاؤں چھونے چلی تھی کہ میں نے بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھالیا۔ اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ آنکھوں کے صدف سے دو یاقوتی موتی نکلے اور رُخساروں پر سے ڈھلکتے ہوئے میرے سینے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے۔

"آشا! اری او آشا!!" کسی نے آواز دی۔

وہ چلی گئی۔ مجھ سے دُور —— بہت دُور ——

اس کی یاد آج تک دل میں محفوظ ہے اور زندگی بھر محفوظ رہے گی۔

"بابوجی! رات بھر سوئے نہیں کیا؟ آنکھیں سُرخ ہوگئی ہیں!" سیوا نے چاء کی کشتی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آنکھیں سُرخ ہوگئیں! ہوجانے دو نہ جانے کتنی راتیں یوں ہی جاگ کر کاٹنی ہونگی۔" اور میں چاء پینے لگا۔

سیوا کسی گہرے خیال میں مستغرق ہوگیا۔ شاید جاگنے کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

حسنِ تغزّل

(از حضرت مولانا دلگیر مارہروی تلمیذ حضرت داغ مرحوم)

کیا وہ صورت ہو جو یہ کار نمایاں کرلیں
اور پنہاں تجھے ہم اے غمِ پنہاں کرلیں

آج پھر حوصلہ افزا ہے خیالِ جاناں
جمع امید کے اجزائے پریشاں کرلیں

نہ بہارِ رُخِ رنگیں، نہ وہ جلوے، نہ جمال
کیا گلستاں میں ہے کیا سیر گلستاں کرلیں

اب یہ قسمت ہے ہماری کہ مریں یا نہ مریں
آپ دم بھر کے لئے تیغ کو عریاں کرلیں

سلسلہ چھیڑ دے ایسا کوئی اے وحشتِ دل
اور وہ زلفِ پریشاں کو پریشاں کرلیں

کیا کرشمے ہیں اِن اعجاز بھری آنکھوں کے
اِک اشارہ میں جو کافر کو مسلماں کرلیں

ہے کچھ دستِ جنوں کو گلۂ بے کاری
پھر ذرا مشغلۂ چاکِ گریباں کرلیں

خون ہو جائے اگر دل کا تو ہو جائے دلگیر
ناکِ نازکو شرمندۂ احساں کرلیں

غزل

(از حضرت حیرآن پولیس انسپکٹر تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغؔ)

الٰہی خیر جانوں کی کہ حسن بے نیام آیا
شباب آیا کسی پر اور بہ تکمیل تمام آیا

شبِ ہجراں اجل آئی نہ آس مُہت کا پیام آیا
نمک پاشِ جراحت نکلے غیر تلخ کام آیا

مزا رنگِ تغزل بھی پسندِ خاص و عام آیا
تصرف حضرتِ اُستاد کا کیا کیا نہ کام آیا

خدا رکھے ترا دردِ محبت خوب کام آیا
کہ جب اہلِ وفا کا ذکر آیا میرا نام آیا

ہمیں بتخانہ میں جلوے نظر آتے ہیں کعبہ کے
کہیں کیا اسکو جو کعبہ سے بے نیل و مرام آیا

وہاں بھی حضرتِ زاہد رہے محروم قسمت سے
جہاں بادہ کشوں کو بادۂ کوثر کا جام آیا

رقیبِ روسیہ کو بھی مرا ہمنام ہونا تھا
کہ جب خط کا جواب آیا مرے دشمن کے نام آیا

سراپا معصیت تھا پرسشِ اعمال کیا ہوتی
اگرچہ پیشِ داور ابندء میرا نام آیا

مرے ساقیٔ دریا دل یہ فیض عام کیسا ہے
کہ اک ناکامِ ہجراں بزمِ مے سے تشنہ کام آیا

ہمیں انجامِ اُلفت ہو گیا معلوم اے حیرآں
کہ آج انکی زباں پر نام تیرا ناتمام آیا

افسانہ

تصادم

(از جناب ضیاء علی خاں بدایونی)

امتحان سے فارغ ہو کر اُسے سوچنے اور غور کرنے کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا۔ یہ اسکی بچپن کی عادت تھی۔ وہ راستہ چلتے بھی سوچتا رہتا تھا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے سوچنے لگتا۔ دُنیا بھر کے ہوائی قلعے بناتا اور خیالی پلاؤ پکاتا تھا۔ یہ عادت اچھی نہ تھی۔ اس کے والدین بھی اکثر اس بات پر اس سے ناراض ہو جاتے تھے۔ بنارس میں رہتے ہوئے اُسے چوتھا سال تھا۔ ابتدائی دو سال ہوسٹل میں گزار کر اس نے اپنی زندگی میں بہت کچھ تبدیلی حاصل کر لی تھی۔ کالج کے پہلے سال میں لونڈے اُسے خبطی سمجھتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُسکی پوشش، گفتگو، خیالات، عادات و اطوار، حرکات و سکنات میں تبدیلی آگئی تھی۔ اسکے والد پُرانی وضع کے ٹھاکر تھے۔ لڑائی کے بعد ۱۴ء کی جنگ کے کارہائے نمایاں کے عوض اُنہیں سب رجسٹراری مل گئی تھی۔ جسے وہ خدا کا سب سے بڑا عطیہ سمجھتے تھے۔ پڑھے لکھے برائے نام تھے۔ دستخط ضرور بناتے تھے۔ اور کچھ بلا لحاظ املے کی غلطیوں کے لکھ بھی لیتے تھے۔ بے حد سادہ لوح تھے۔ ایک مرتبہ جج صاحب بہادر اُن کے معائنے کو آئے۔ اُن سے سوال کیا کہ "اگر کوئی شخص فیس دینے سے گریز کرے تو آپ کیا کرینگے"؟ کہنے لگے "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ فیس نہ دے"۔ جج صاحب نے مکرر دریافت کیا "مان لیجئے اگر وہ چلا جائے۔"

بڈھے نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں سے بلا فیس ادا کئے چلا جائے۔"

جج صاحب ان کے سپاہیانہ لب و لہجہ پر مُسکرا دیئے۔ ایسا دماغ اور اتنی علمی قابلیت رکھنے کے باوجود اوّل درجے کے سب رجسٹراروں میں تھے۔ اُن کی ترقی کا راز اپنے فرائض منصبی کو تن دہی اور پابندی اوقات سے ادا کرنے۔ خدا کی عبادت کرنے اور اسکے قابل رحم بندوں پر مہربانی کرنے میں مضمر تھا۔ وہ خیرات زکوٰۃ کے عامل تھے۔ غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ انہیں کپڑے بناتے تھے اور ان کو اپنے پاس محبت سے بٹھاتے تھے۔ اسکی ماں اپنے شوہر سے زیادہ پابند مذہب تھی۔ اسکی عقیدہ پرستیاں مراق کے درجہ تک پہنچ گئی تھیں۔ برہمنوں کو وہ بھگوان کا اوتار خیال کرتی تھی۔ ان کی شان میں ایک حرف بھی زبان پر لانا شرک سمجھتی تھی۔ اس کا مکان شہر کے شمال و مغرب کے گوشہ میں تھا۔ جہاں سوائے غریب برہمنوں کے دوسری قوم آباد نہ تھی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے کھیتی باڑی شروع کر دی تھی۔ ورنہ زیادہ تر پنڈتائی ہی کرتے تھے۔ نراین داس جوتشی کا مکان بھی اُنکے پڑوس میں تھا جو بنارس کے مشہور پنڈتوں میں تھے۔ علم جوتش میں کمال دستگاہ رکھنے کی وجہ سے دُور دُور سے آکر لوگ اُن سے سوالات دریافت کرتے تھے۔ معروف اور با اثر ہونے کی وجہ سے محلہ میں ان کی پوچھ کچھ تھی۔ مدت ہوئی اُن کی بیوی مر چکی تھی۔ گھر میں ایک لڑکی کے سوا اور کوئی نہ تھا اُسے وہ شکنتلا کہہ کر پکارتے تھے۔ جو اس وقت زندگی کی چودھویں بہار دیکھ رہی تھی۔ گھر کے کام کاج سے فرصت پاکر شکنتلا سب رجسٹرار صاحب کے یہاں بات چیت کرنے چلی آتی۔ کیونکہ عورت اور خاموشی دو متضاد چیزیں ہیں۔

اُس نے سب سے پہلے شکنتلا کو اپنے یہاں دیکھا تھا۔ اسے دیکھکر بھی وہ سوچنے لگا۔ سوچتے سوچتے خیالات کی رفتار اُسے اپنی تعلیم کی طرف لے آئی۔ بی، اے پاس کر کے وہ کیا کریگا؟ ملازمت کہیں ملتی نہیں۔ وکالت ــــــــ اگر وہ بھی نہ چلی تو؟ والدین کا روپیہ بے مصرف خرچ ہوا! تجارت سے بڑھکر کوئی پیشہ نہیں۔ ہر جگہ کتابوں میں لکھا ہے زمینداری کا کام مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ ملازمت سے پنشن لیکر وہ آبا جان کو مبارک ہو۔ شکنتلا کو وہ اپنے گھر میں ہر روز بلا ناغہ دیکھتا تھا۔ یونہی سرسری طور پر۔ کبھی اُس نے اسکی زندگی۔ اسکی نقل و حرکت، اسکی ہستی کے متعلق زیادہ غور و خوض نہیں کی تھی۔ اب وہ زیادہ تر بی، اے پاس کرنے کے بعد کسب معاش کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ایک روز اُس نے لیٹے

لیٹے سوچا اگر سکریٹریٹ میں کلرکی مل جائے تو سب سے بہتر۔ جنت کی دربانی بھی قابل فخر ہے۔

جاڑوں کا اختتام اور گرمی کی ابتدا تھی۔ نیم کی فرحت افزا خوشبوئیں ہندستان کے گوشہ گوشہ کو مہکا رہی تھیں۔ نواڑی کے باغ باغیچوں کو جنت ارض بنائے ہوئے تھے۔ املتاس کے درختوں پر طلائی شجر ہونے کا دھوکا ہوتا تھا۔ بھوڑ پر لگنے والی ٹبیا کے پودوں کے کھیتوں میں سنہری چادریں بچھا رکھی تھیں۔ کچنال کی کلیاں نہ تھیں بلکہ انگوری شراب کے سربمہر شیشے۔ آموں پر بھنبگر اس طرح بول رہے تھے جیسے باغوں میں بے شمار پریاں رقص کر رہی ہوں۔ صبح بنارس یوں بھی مشہور ہے اور پھر بہار کی صبح۔ اللہ اللہ ـــــ بغل میں دھوتی دبائے وہ سوچتا ہوا گنگا اشنان کو جا رہا تھا۔ گھر سے نکل کر ہی شکنتلا کا مکان تھا۔ وہ گائے کو سانی کر رہی تھی۔ کہنیوں تک ہاتھ سنے ہوئے تھے۔ اُسے آتا دیکھکر وہ مسکرائی۔ اور گندے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولی "دھولی ہے"۔ یہ کہکر وہ ہنسی۔ وہ چونک پڑا۔ یہ کس قسم کی ہنسی تھی۔ البیلی، میٹھی۔ کچھ تھوڑی سی خودی۔ تھوڑا غرور۔ اُس نے شکنتلا کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا۔ اُس نے محسوس کیا کہ شکنتلا کے چہرے پر دلآویزی ہے۔ اسکے رخسار ایسے معصوم کہ بس نیساہن تھی جسے کسی انسانی ہاتھوں نے نہ چھوا ہو۔ اس کی شوخ مسکراہٹ آنکھوں کی چمک، ایک فطری قدرتی اور خودرو چیز معلوم ہوئی۔ اُس نے محسوس کیا اسکی نگاہوں میں رفعت، لبوں میں رس، چال میں شعریت ہے۔ اس کے جسم کا تناسب دیکھکر وہ بہت حیران ہوا۔ اُس کے دل میں ایک ہی قسم کی جھجھک پیدا ہوئی۔ اب تک وہ شکنتلا سے ڈرتا نہ تھا۔ لیکن اب اس کی سمت نظر کرتے ہوئے اُسے عجیب طرح کا ڈر محسوس ہو رہا تھا۔

تمام راستے شکنتلا کے متعلق سوچتا گیا۔ اس کے تصور سے اسکا دل کانپ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ کل تک تو شکنتلا میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ آج اچانک یہ کیا ہو گیا۔ واپسی میں اسکی عجیب حالت تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھ رہی تھیں۔ چہرے کا رنگ کبھی کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ اسکے قدم اس شخص کی طرح پڑ رہے تھے جس نے پہلے پہل شراب پی ہو۔ اسی حالت میں وہ شکنتلا کے مکان کے سامنے سے گذرا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ دیوار پر پھیلی ہوئی ریل بیل کی شاخوں پر پانی پڑ رہی تھی۔ اُسے دیکھکر وہ ٹھٹکا۔ سورج مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ بھنگ کا سا نشہ پی کر دل ہی دل میں وہ شکنتلا کو پیار کرنے لگا۔ اس سے پیشتر اس نے اشعار میں محبت پڑھی تھی۔ جب شاعروں کی اس بکواس پر وہ ہزاروں صلواتیں سناتا تھا۔ مگر اب وہ خود بھی شعر کہنا چاہتا تھا ایسے اشعار جن میں شکنتلا کے حسن کی تعریف ہو۔ جن میں اس کے جذبہ الفت کا ذکر ہو۔ جن میں اسکی جدائی اور ملاقات کا تذکرہ ہو۔ شرمیلا ہونے کی وجہ سے وہ اظہار محبت کی جرات تک نہ کر سکتا تھا۔ شکنتلا کی محبت اس کے دل میں سیپ کے موتی کی طرح تھی۔ جو غوطہ خوروں کی نظروں سے پوشیدہ کسی عمیق سمندر میں مستور ہو۔ کسی لطیف پیرائے میں اس بے پناہ وسوسے کو شکنتلا پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک شرابی کی طرح جو بوتل منہ سے لگا کر غٹ غٹ پی لیتا ہو۔ گلاب کی نو دمیدہ کلی جیسے شکنتلا کے منہ سے اپنا منہ لگا دے اور مست و بےخود ہو جائے۔ کبھی کبھی وہ ان خیالات سے گھبرا جاتا تھا اور چاہتا تھا کہ جامۂ ہستی تار تار کر دے۔

برسات کی اندھیری رات تھی۔ دھواں دھار بادل اتحادی فوجوں کی طرح امنڈ امنڈ کر چلے آ رہے تھے۔ جن کی وقتاً فوقتاً گرج پر یہ گمان ہوتا تھا کہ جنرل الگزانڈر یا چوبی فوج کی کمان لئے بمباری کرتے ہوئے اٹلی پر بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ چمکتے ہوئے جگنو آبادی کی سمت اس طرح اڑے آ رہے تھے جیسے مرگھٹوں میں بیٹھکر بھوت شہر کی سمت انگارے برسا رہے ہوں۔ بجلی کے سبب ڈوبنے سرشام سے ہی چادر کی طرح اندھیرا اندھیرے کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں اس کے یہاں جا کر بیٹھا۔ یہ نہ سمجھا تھا کہ ایسی گھٹا ٹوپ اندھیری چھا جائیگی۔ میرا مکان وہاں سے تین میل پر تھا۔ اب سواری ملنا بھی مشکل ہے۔ گھر والے کیا کہیں گے۔ یہ خیال آتے ہی میرے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ شاید اکا لج کا دوست تھا میری یہ حالت دیکھکر کچھ سوچنے لگا۔ اور بولا۔ میں وکیل صاحب کے یہاں جا کر ٹیلیفون سے تمہارے تھانے میں اطلاع کرائے دیتا ہوں۔ صبح کو جب کھل جائے چلے جانا۔ داروغہ جی گھر خبر کرا ہی دیں گے۔

تھوڑی دیر میں وہ واپس آ گیا۔ ہم دونوں نے کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اس سے پوچھا "تم اداس کیوں رہتے ہو تمہاری حالت دیکھکر افسوس ہوتا ہے۔ کریلے کے پھول کی طرح مرجھائے رہتے ہو۔ جیسے کسی تل کو بالکل نہ ملا ہو"

یہ سنکر وہ چونک پڑا۔ اس کے رخساروں پر دائرے بن گئے جیسے تالاب میں کسی نے کنکری پھینک دی ہو۔ کہنے لگا "نہیں نہیں نہیں۔ دھوکا ہو رہا ہے"۔

میں نے اُس کے چہرے کا رنگ بدلتا دیکھکر اسکی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا "دیکھو! آنکھیں دل کے دریچے ہیں

اور آنسوؤں میں نظر آنے والے جلوے۔ کسی بھید کو ہم کتنا ہی پوشیدہ رکھنا چاہیں لیکن انسان اپنی پرکھنے والی نگاہوں سے ان جذبات کو تاڑ ہی لیتا ہے تم جانتے ہو۔ امریکہ والوں نے اس علم میں اس قدر کمال حاصل کیا ہے کہ چہرہ دیکھکر وہ دل کی بات معلوم کر لیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں تمہارے دل میں ایک تیر کھچ گیا ہے جو ہر گھڑی کھٹکتا رہتا ہے۔ اور تم اس راز کو اپنے شرمیلے پن سے کسی پر آشکارا نہیں کرنا چاہتے۔ میرے خیال میں تم کسی سے محبت کرتے ہو۔ عجب۔ تم جیسے شرمیلے اور بزدل لڑکے بھی عورتوں سے محبت کریں۔ جس نے کبھی آج تک عورت کی شکل نہ دیکھی ہو وہ کیا محبت کر سکتا ہے۔۔ عورت کا نام لیتے ہی تمہارے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چھلک آئیں [illegible] کیا۔ کس جگہ میں پڑے ہو۔ یہ محبت وحبت سب ڈھکوسلے بازیاں ہیں۔ وقتی [illegible] ہے۔ مجھے دیکھو کتنی عورتوں سے کھیل چکا ہوا۔ لیکن آج تک کسی سے محبت نہیں کی۔ پاگل پن کی بات ہے۔ ع

کسی کے عشق میں [illegible] کے ہو گئے ہاتھی

میری یہ باتیں سُن کر اس کے دل میں انوکھا سا ڈر اور وحشت پیدا ہونے لگی۔ "تم اس قسم کی بکواس نہ کرو۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ دیوار پر لٹکی ہوئی تصویر کی طرف میں نے اس کی توجہ منعطف کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو! پرانی عمارت کے کنگوروں کے اوپر جنگلی کبوتر اپنی کبوتری کے آگے کس مستی بھرے انداز سے پریم کے گیت گا رہا ہے۔ وہ دیکھو! سامنے بیٹھی ہوئی گرگٹی اپنے جوڑے کو کس دلکش انداز سے بلا رہی ہے۔ وہ دیکھو سورج مکھی کے پودے ہوا کے جھونکوں سے کس طرح ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں!" یہ دیکھکر وہ مصنوعی طور پر مسکرا دیا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "نہ بتاؤ۔ دیکھیں کب تک؟ ایک دن تمہیں خود ہی اپنی زبان سے سب کچھ کہنا ہوگا۔"

بارش بڑے زور سے ہو رہی تھی۔ ٹین کے سائبان پر مسلسل بوندیں پڑنے سے ایک دلآویز نغمہ پیدا ہو رہا تھا۔ میں نے کمرے سے باہر جھانکا۔ سڑک پانی سے بھری ہوئی چل رہی تھی۔ جیسے کوئی اژدہا رینگ رہا ہو۔ پڑوس میں کسی مکان کا کوئی حصہ گرنے کا دھماکا ہم دونوں نے بالکل اسی طرح محسوس کیا جیسے میدان جنگ میں خیمے میں لیٹے ہوئے سپاہی کہیں نزدیک گرنے والے بم کی آواز محسوس کرتے ہیں۔

ایک دن آخر کار اُس نے سب کچھ بتا دیا۔ شام کو میں اور وہ ٹہل کر آ رہے تھے۔ پگڈنڈی پگڈنڈی۔ دونوں طرف دھانوں کے کھیت تھے جن میں چھاتی چھاتی دھان اُگے ہوئے تھے۔ ہم دونوں ان خوشوں پر اپنی ہتھیلیاں سہلاتے آ رہے تھے۔ دھانوں کے خوشے چکنے تھے۔ ایک عجیب قسم کی چکناہٹ۔ جس سے گدگدی پیدا ہو۔ راستے میں اُس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ کچھ جھجک جھجک کر۔ کبھی کبھی پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے۔ جیسے کوئی اور نہ سُن لے۔ اُس نے اپنی محبت کی کہانی سنا دی جس قدر وہ کہتا گیا اتنی ہی طبیعت میں روانی آتی گئی۔ ۲۴ء کے سیلاب کی طرح اس کے جذبات اُمڈے پڑ رہے تھے۔ اس کی داستان سُن کر میں نے گہرا سانس لیا۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ ایک شرمیلا لڑکا جو اپنا راز تک کسی پر آشکارا نہ کرے وہ کیونکر اپنے ارادے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ میں راستے بھر یہی سوچتا آیا۔ ایک ملاح کی طرح جو طلاطم خیز موجوں کے خلاف اپنی کشتی اس پار لئے جا رہا ہو۔

دوسرے روز میں اُس کی ماں کو اپنے گھر لے گیا۔ ایک دعوت کے بہانے سے۔ اُس کے والد دفتر چلے گئے۔ مکان پر وہ تنہا تھا۔ میں بھی وہیں پہنچ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دی گئیں ——— کوئی شخص ایک عورت سے جی بھر کر محبت کرتا ہے۔ پیٹ بھر کر اُس سے عشق کرتا ہے۔ پھر اسی سے شادی کر لیتا ہے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ کسی دفتر میں ملازمت کر لیتا ہے۔ دس بجے جاتا اور شام کو واپس آ کر خورد و نوش کا انتظام کرتا ہے اور اسی دھن میں مر جاتا ہے کہ ہائے زندگی! ہائے زندگی!! بھلا بتائیے وہ اچھا یا ہم؟ یا تم جو محبت کو کابوس کے مرض کی طرح دل میں لئے پھرتے ہو۔ استغفر اللہ میں تمہارا علاج کرنے آیا ہوں۔ شکنتلا آتی ہوگی۔ میں اور تم صرف دو شخص یہاں ہیں۔ دیکھو یہ سنہری رسٹ واچ۔ یہ لاکٹ۔ یہ جھلملر کرتے ہوئے بُندے اُس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہونگے۔ کسی عورت کو قابو میں کرنا کون سی بڑی بات ہے۔ اور پھر وہ تو تم سے اُنسیت رکھتی ہے۔ اس سے اچھا موقعہ ہاتھ نہیں آسکتا۔ وہ آئی۔ یہ لو لاکٹ۔ یہ رسٹ واچ رکھی ہے۔ اس ڈبیا میں بُندے ہیں۔ میں ہٹا جاتا ہوں۔ خبردار۔"

میں اُٹھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ دروازے کے باہر نکل آیا اور سڑک پہ پاگلوں کی طرح بھاگنے لگا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ حُسن دیکھنے کے لئے ہے چھونے کے لئے نہیں۔ محبت ایک غیر ارادی جذبہ ہے۔ ایک تحفۂ خداوندی۔ ایک سنہری زنجیر۔" اس قسم کے الفاظ اُس کی زبان سے نکل رہے تھے۔

میں یہ سب کچھ علاء الدین کی طرح کھڑا دیکھتا رہا جس کے سامنے پدمنی دہکتی چتا میں جل کر اُس کے ارمانوں کا خون کر گئی ؀

دورِ ابتری

(حضرت منوّر لکھنوی)

ابتری کا دور ہے خودسری کا طور ہے
عہدِ ظلم و جور ہے جائے فکر و غور ہے
اب زمانہ اور ہے

شانِ انجمن گئی رونقِ چمن گئی
حرمتِ وطن گئی کیا یہ شکل بن گئی
اب زمانہ اور ہے

کامراں ہیں خودغرض شادماں ہیں خودغرض
جاں ستاں ہیں خودغرض پاسباں ہیں خودغرض
اب زمانہ اور ہے

شاد کام حرصِ زر مستِ جام حرصِ زر
زیرِ دام حرصِ زر ہیں غلام حرصِ زر
اب زمانہ اور ہے

قہر کا نزول ہے گفتگو فضول ہے
منہ میں خاک دُھول ہے جو ہے بے اصول ہے
اب زمانہ اور ہے

درد کا علاج کیوں؟ اِس کی احتیاج کیوں؟
ذکرِ تخت و تاج کیوں؟ ہو خود اپنا راج کیوں؟
اب زمانہ اور ہے

لب ذرا نہ کھولئے مُنہ سے کچھ نہ بولئے
کاش خود کو تولئے آپ اپنے ہولئے
اب زمانہ اور ہے

محفلِ طرب کہاں عیش کا سبب کہاں
دورِ امن اب کہاں صلح کی طلب کہاں
اب زمانہ اور ہے

جو بھی فیلسوف ہے مہر در کسوف ہے
زندگی پہ زوف ہے سخت بیوقوف ہے
اب زمانہ اور ہے

جان اپنی دیجئے جام زہر پیجئے
دم ذرا نہ لیجئے مُنہ سے اُف نہ کیجئے
اب زمانہ اور ہے

بات پر نہ جائیے جوش میں نہ آئیے
گُن اسی کے گائیے جس سے مار کھائیے
اب زمانہ اور ہے

ہے روا ہر ایک کام کوئی شے نہیں حرام
صبح کیا ہے کیا ہے شام لیجئے خدا کا نام
اب زمانہ اور ہے

تعلیمی معیار کی کمی

(از جناب جگن ناتھ کمال کرتارپوری۔ بی۔ اے، ایچ، پی، ایچ یو۔ ہیڈماسٹر خاکپائے حضرت جوش ملسیانی)

مسٹر جگن ناتھ کمال بی، اے ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی مدظلہ کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ موصوف پختہ مشق شاعر و ناثر اور ایک تجربہ کار معلم ہیں۔ ہماری استدعا پر آپ نے یہ مختصر مگر پرمغز مقالہ "دستگیر" کیلئے سپرد قلم فرما کر عنایت فرمایا ہے اُمید ہے آپ آئندہ بھی "دستگیر" کے ذریعہ تعلیمی مشکلات کا حل فرماتے رہینگے ذمہ داران تعلیم کا فرض ہے کہ وہ موصوف کے ارشادات سے مستفید ہونیکے ذرائع بہم پہنچائیں اور اُن پر کاربند ہوں۔ ادارہ جناب کمال کی اس عنایت کا شکر گزار ہے (ادارہ)

آج کل جہاں کہیں تعلیم کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں یہی رونا رویا جاتا ہے کہ عہد سابق کے مقابلے میں آج کل کا معیار کم ہے اور اس کے ثبوت میں یہ عام حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ اس زمانے کے مڈل یا انٹرنس پاس مقابلتاً کم لیاقت ہوتے ہیں آج میں اسکی وجوہ میں سے چند ایک پر اپنی رائے کا اظہار کرونگا۔ میری رائے سنی سُنائی یا پڑھی پڑھائی رائے نہیں ہے۔ بلکہ میرے پچیس سالہ تعلیمی تجربے کے نتائج کا اختصار ہے

سب سے اوّل یہ بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ انسان فطرتاً ایسا واقع ہوا ہے کہ حال کو کوستا ہے مستقبل سے مایوس ہے اور ماضی کو سراہتا ہے۔ حالات چاہے برعکس ہوں مگر یہ امر فطری ہے اس لئے جب بھی موجودہ تعلیم کا ماتم سُنو تو یہ بات بھی یاد کر لو کہ یہ ماتم انسانی خاصہ ہے۔

یہ امر سب پر روشن ہے کہ موجودہ تعلیم کا نصاب جب ترتیب دیا گیا۔ تو اس وقت حاکموں کے سامنے فقط ایک ہی نصب العین۔ یعنی نوشت و خواند تھا۔ جس سے حکومت کی ادنےٰ شاخیں چل نکلیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ معمولی پڑھے لکھے آدمیوں کو ملازمتیں بآسانی ملنے لگیں۔ چونکہ سرکاری ملازمت سے وقار اور پیٹ کا سوال حل ہو جاتا تھا اِس لئے تعلیم کا مقصد ہی حصول ملازمت ہو گیا لیکن یہ کاٹھ کی ہنڈیا کب تک کام دیتی! رفتہ رفتہ پڑھے لکھے زیادہ ہو گئے۔ مقابلہ کا معیار بلند ہوتا گیا۔ ملازمتیں ملنا پہلے دشوار بعد ازاں دشوارتر اور آخر تقریباً ناممکن ہو گیا۔ یعنی خرچ تعلیم کا عوضانہ دسترس سے باہر ہو گیا۔ اس کا نتیجہ تعلیم سے بیزاری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور سب یہی کہنے لگے کہ پہلے پرائمری پاس اچھے تھے اور موجودہ بی۔ اے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بات سبھی بھول گئے کہ معیار کم نہیں ہوا بلکہ پڑھے لکھوں کی ملازمتوں میں کھپت کم ہو گئی ہے۔

دوسری بات جس کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سکولوں میں پہلے کی نسبت مضامین زیادہ تعداد میں پڑھائے جاتے ہیں ایک نقطۂ نگاہ سے یہ تعداد ضروری بھی ہے کیونکہ ابتدائی تعلیم سے ثانوی تعلیم کی بنیاد تیار کرنی ہے۔ اگر تعداد کم کر دی جائے تو ثانوی درجوں میں مشکلات پیدا ہو جانے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو مضامین کی تعداد زیادہ نہیں ہے بلکہ بیرونی کاموں کی بیگار کی زیادتی ہے۔ ہر نئے تجربے کے غیر منظم احکام کی بھرمار ہے۔

بیرونی کام۔ محکمہ تعلیم کو ہر محکمے کی امداد کا آلہ کار سمجھا جاتا ہے۔ میں ان کاموں کو بجا یا بے جا نہیں کہتا۔ مگر یہ ضرور کہوں گا

کہ بھئی جب اپنا علیحدہ محکمہ ہے۔ تو وہ اپنا بارِ غریب مدرسوں پر کیوں ڈالتا ہے۔ حفظانِ صحت۔ کو اپریشن (امداد باہمی) زراعت وغیرہ محکمے نہ صرف مدد کے طالب ہیں بلکہ حاکمان محکمہ تعلیم کی معرفت حکماً اور جبراً یہ کام لیتے ہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ اس سے مدرسین اور طلباء کے تعلیمی کام میں کمی ہوتی ہے یا نہیں؟

نئے تجربے ۔ مغربی ممالک میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی نیا تجربہ کرنا ہو تو وہ ایک مدرسے سے مخصوص کر دیا جاتا ہے سالہا سال کے بعد اسکی ترمیم شدہ صورت دوسرے مدارس میں جاری کی جاتی ہے۔ مگر اس جگہ باوا آدم ہی نرالا ہے۔ ادھر کسی تجربے کا نام سنا اور ادھر حکم جاری ہوا۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ مغربی اور ہندستانی دیہات مختلف ہیں۔ جو تجربہ مغرب میں کامیاب ہے، ضروری نہیں کہ وہ ہندستان میں بھی کامیاب ہو۔ مدرس کو تجربہ کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ وہ اسکے لئے باقاعدہ تربیت یافتہ نہیں ہوتا اس لئے بہت سا وقت رائیگاں جاتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ نئے تجربے کے نئے ساماں۔ نئے ماحول، نئے اُستاد اور نگراں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ دوسرے صوبوں کی تو میں کہہ نہیں سکتا لیکن پنجاب کے دیہاتی سکولوں میں سامان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

تیسری مشکل محکمہ کی اپنی پیدا کی ہوئی۔ گزشتہ جنگِ عظیم کی ہولناکیاں ختم ہوئی ہی تھیں کہ اقتصادی مشکلات نے عوام پر سایہ ڈالا۔ لوگ باگ تعلیم سے بیزار تو تھے ہی کہ ناداری نے اور چرکا دیا۔ سکولوں میں تعداد کم ہونے لگی۔ ادھر افسروں نے تعداد تعداد کا شور مچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعداد بڑھی، کچھ فرضی کچھ حقیقی۔ اس پر مستزاد یہ ہوئی کہ پہلی جماعتوں میں لڑکے فیل نہ کئے جائیں۔ داخلے بھی ہوئے۔ اور سال کے بعد ترقیاں بھی ارزاں ہو گئیں۔ کاغذوں کی خانہ پُری تو ضرور ہوئی۔ مگر ابتدائی تعلیم کا حاصل یہ ہوا کہ پہلی جماعت میں سو ہیں تو چوتھی میں بیس پہنچے۔ اس میں سے پندرہ نرم گرم پاس ہوئے۔ یعنی کل خرچ کا حاصل پانچواں حصہ۔ حکومت کا طعن بھی بجا کہ اسی فی صدی خرچ ضائع ہوا۔ اور والدین کا شکوہ بھی بجا کہ سکولوں میں پڑھائی نہیں ہوتی۔

چوتھی بات ایک تلخ حقیقت ہے کہ تعلیم کے لئے سستے اُستاد ڈھونڈے جاتے ہیں۔ ادھر مڈل پاس کیا اُدھر نارمل کی سند ایک سال میں حاصل کی اور مدرسی کی کرسی معہ مشاہرہ پندرہ روپیہ ماہوار عنایت ہوئی۔ اوّل تو اپنی تعلیم کم۔ کم کیا معنی محض شد بد۔ دوئم نو عمری۔ سوم ناتجربہ کاری۔ چہارم پندرہ روپیہ ماہوار۔ غور تو کرو معیار کم نہ ہو تو کیا ہو۔

مندرجہ بالا باتیں ٹھوس اور تلخ حقیقتیں ہیں۔ نصابی معیار کم نہیں۔ بلکہ تعلیمی معیار کم ہے۔ اور ان واقعات کے ہوتے اسکا بلند ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ موجودہ جنگ نے عوام دیہات میں خصوصاً پنجاب میں روپیہ کی افراط کر دی ہے۔ گرانی کے باوجود ——— لوگوں کے پاس فیس دینے اور تعلیم کا خرچ برداشت کرنے کو کافی ہے۔ لڑکے دھڑا دھڑ داخل ہو رہے ہیں۔ مگر یہ حالت عارضی ہے۔ جنگ کے بعد پھر تعداد کا سوال پیدا ہوگا۔ پھر وہی کارگزاری دکھانے کے ڈھنگ یعنی احکام کی بھرمار۔

میں اپنے اگلے مضمون میں ان مشکلات کا حل تجویز کروں گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ حل تعمیری ہوگا۔

کیفِ تغزّل

(از اعظم جلال آبادی)

وہ کب خاطر میں لاتا ہے ضیائے مہرِ تاباں کو — نظر بھر کر جو دیکھے جلوۂ رخسارِ جاناں کو

کِیا نذرِ بُتاں جب دین و ایمان و دل و جاں کو — تو اُن کو سجدہ کرنا کیوں نہ ہووا جب مُسلماں کو

تو یہ مُژدہ سُنا دینا، صبا خارِ مغیلاں کو — کہ اک سودائی آتا ہے برہنہ پا بیاباں کو

جُدا دِل سے کروں کیونکر میں نوکِ تیرِ مژگاں کو — نِکالے ہم نشیں گھر سے کوئی کیا اپنے مہماں کو

تعالی اللہ ترا وحشی بھی کیا کیا گُل کھِلاتا ہے — الٰہی شاد رکھ اس نازشِ فصلِ بہاراں کو

بہا جاتا ہے اک عالم ترے اشکوں کے طوفاں میں — ذرا بہرِ خدا تھم جائے کہدو چشمِ گریاں کو

نہیں مقصود گر اس سے ادائے رسمِ ہمدردی — دیا ہے درد دِل میں کس لئے خالق نے اِنساں کو

گریباں چاک، دامن دھجیاں، تن خاک آلودہ — ترا دیوانہ کیا بن ٹھن کے جاتا ہے بیاباں کو

میں ہوں کس واسطے ممنون میرِ کارواں ہمدم — خدا رکھے سلامت رخشِ عمرِ گرمِ جولاں کو

کوئی بسمل، کوئی زخمی، کوئی بے جاں، کوئی گھائل — غضب کے یاد ہیں جادو تمہاری چشمِ فتاں کو

ہزاروں تشنۂ دیدار زیرِ بام بیٹھے ہیں — نگاہِ شوخ سے لِللہ چلمن سے ذرا جھانکو

ضیائے حُسنِ جاناں نے منوّر کر دیا اعظم
جبل کو، دشت کو، صحرا کو، بستی کو، بیاباں کو

غزل

(حضرت عرشؔ ملسیانی)

ہم ان کے ساتھ سیرِ جہاں دیکھتے رہے
احباب جانے ہم کو کہاں دیکھتے رہے

یوں سیرِ گلستانِ جہاں دیکھتے رہے
نیرنگیٔ بہار و خزاں دیکھتے رہے

غنچے ہماری عقل پہ ہنستے رہے مگر
ہم فصلِ گُل میں رنگِ خزاں دیکھتے رہے

ہر چند یہ خیال تھا کچھ حوصلہ شکن
ہم پھر بھی خوابِ سُود و زیاں دیکھتے رہے

ہیشِ نظر جہاں کے رہی رحمتِ خدا
ہم پر بھی حُسنِ بُتاں دیکھتے رہے

عرضِ نیازِ شوق کی اچھی ملی یہ داد
وہ میرے اشک ہائے رواں دیکھتے رہے

طے کر گیا جنوں مرا اِک جست میں اُنہیں
حیرت سے مُجھ کو کون و مکاں دیکھتے رہے

جذباتِ سعید

(از حضرت سعید احمد مارہروی ابن مولانا احسن مارہروی علیہ الرحمۃ)

اک فقط میں ہی ترے عہد میں نالاں نہ رہا
چین سے کوئی بھی اے گردشِ دوراں نہ رہا

جب مرے درد کا باقی کوئی امکاں نہ رہا
ہوگئی یاس سے تسکین، پریشاں نہ رہا

ہو کے پابندِ قفس رنج نشیمن ہی نہیں
یہ بھی سُنتا ہوں کہ وہ رنگِ گلستاں نہ رہا

کی جفا کیش نے کب ظلم و ستم سے توبہ
میرے دل میں کوئی جینے کا جب ارماں نہ رہا

چارہ ساز اُٹھ گئے یہ کہکے مری بالیں سے
بزمِ امکاں میں تری زیست کا ساماں نہ رہا

ایک تکلیف اگر ہو تو کروں شرح سعیدؔ
کون سا غم تھا جو مجکو شبِ ہجراں نہ رہا

ہمارے بزرگ

دیورشی نارد

(از ایم، اے منتظر۔ نئی دہلی)

ہم نے پچھلے نمبر میں اعلان کیا تھا کہ آئندہ نمبر سے ہم "ہمارے بزرگ" کے عنوان سے مختلف مذہبی پیشواؤں کی زندگی کے حالات قلم بند کر کے قارئین نیز قوم و ملک کے افراد کو باہمی یگانگت کا نمونہ دکھائیں گے۔ چنانچہ اِس عنوان کے ماتحت ہم اپنے مسلسل مضامین کا افتتاح "دیورشی نارد" سے کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔ (منتظر)

ہندو دھرم میں نارد دیوتا کا وجود بڑے بڑے جلیل القدر دیوتاؤں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ برھما کی شکتی اور اُس کے گیان کا مظہر ہے۔ ارض و سما کی بسیط فضائیں اس کے حسین نغمات سے معمور ہیں جن کو وہ خدائے بزرگ و بالا کی حمد و ثنا میں الاپتا ہوا کونین کی وسعت پر چھا جاتا ہے۔ وہ خدا کے ان مخصوص اور مقرب بارگاہ دیوتاؤں میں سے ہے۔ جن کو ہندو دھرم کے مطابق خود برھما نے اپنی شکتی تسلیم کیا ہے۔ حقانیت میں وہ بے نظیر تبحر رکھنے کی وجہ سے دوسرے دیوتاؤں کا ممدوح بن گیا ہے۔ پورانوں کی تواریخ کے متعلق اس کا علم حتمی ہے۔ نجوم میں وہ ماہر بے بدل ہے۔ علم عروض۔ موسیقی۔ شاعری اور لسانی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ وہ مکمل سیاست دان ہے اور دنیا کے حالات ماضی، حال اور مستقبل سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ دُنیا کے کسی کونے میں کسی وقت کوئی واقعہ اسکی غیب بین نگاہوں سے مخفی و متوازی نہیں رہتا۔

وہ اِنسانی قلوب کی ماہیت اور فطری جذبات کو جاننے والا ہے۔ دُنیا میں آشتی اور جنگ، حب و بغض، سکون و اضطراب، ضعف و توانائی اور جملہ عناصر کی کشمکش جو جمادات، حیوانات اور نباتات میں بقائے نوع کے لئے مخفی یا نمایاں ہوتی ہے۔ اُس کی تخلیق کا ذمہ دار یہی جلیل القدر دیوتا ہے۔ اس کے دیوتا ہونے سے پیشتر کی زندگی کے حالات سے بہت کم لوگ واقف ہونگے چونکہ یہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں اِس لئے ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

اپنے موجودہ لباس میں ظاہر ہونے سے پیشتر کے جنم میں وہ ایک غریب خادمہ کا لڑکا تھا۔ اس کی ماں ایک چھوٹے سے گاؤں میں مفلوک الحال زندگی بسر کرتی تھی اور دن بھر کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے اپنے اِس ننھے معصوم بچے کی طرف پوری توجہ نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ اسکی تربیت سے ہمیشہ غافل رہتی۔ معصوم بچہ کس مپرسی کی حالت میں گاؤں کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا۔ اکثر گاؤں کے باہر بھی چلا جاتا جہاں ایک پُرانی کٹیا میں چند مہاتماؤں کی مجلس آراستہ ہوتی۔ یہ سادھو کوئی خدا رسیدہ لوگ تھے جو اپنی ریاضت شاقہ کے بعد قدرے آرام لینے کی خاطر سال کے کسی نہ کسی حصہ میں یہاں آکر جمع ہو جایا کرتے تھے اور ان کے وجود سے گاؤں پر رحمت کے بادل چھا جاتے۔ گاؤں کے لوگ ان خدا رسیدہ مہنتوں کے لئے پرشاد لے جاتے اور یہ بچہ اُن کے دسترخوان کے بچے کھچے پرشاد سے کاسہ لیسی کر کے اپنی بھوک کی آگ کو بجھا لیتا۔ اس ریزہ چینی سے اس کی بدھی روشن اور اس کا قلب منور ہو گیا۔ چنانچہ اب وہ کٹیا کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ان مہنتوں کی عرفانی گفتگو کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا۔ اُس کے اِس شوق سے سادھو بھی اسکی طرف مائل ہو گئے اور اُنہوں نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ یہ ہونہار بچہ ایک جوہر قابل ہے۔

گاؤں سے رخصت ہونے سے پیشتر انہوں نے اس بچے کو اُپدیش دیا اور اپنی توجہ سے اس کے سینے میں ایک ایسی شمع روشن کر گئے جو مشتعل ہو کر تجلّی کی صورت میں نمودار ہو گئی۔ اب وہ بچہ اکثر غور و فکر میں کھویا ہوا نظر آتا تھا۔ اور گاؤں والوں نے اس کو نمایاں طور پر محسوس کر لیا تھا۔

تھوڑے عرصہ بعد جب یہ بچہ ابھی پورے پانچ سال کا بھی نہیں ہوا تھا تو اس کی ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اب اس کا اس گاؤں میں بلکہ تمام دنیا میں سوائے خدا کے کوئی نگہبان نہ تھا۔ لیکن اس کے سینے میں جو شمع روشن تھی اس کی ہدایت کیلئے کافی تھی۔ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر جنگل میں بسیرا اختیار کر لیا۔ اور اکثر ایک درخت کے نیچے سمادھی لگا کر بیٹھ جاتا۔ طویل ریاضتِ شاقہ کے بعد آخر اُسے خدا کی تجلّی نظر آئی۔ جو ایک لحظہ میں اس کے ہوش و خرد پر بجلی گرا کر روپوش ہو گئی۔ جب وہ اپنے ہوش میں آیا تو اُسے دیدار کی آرزو نے مزید بیقرار کر دیا۔ لیکن انتہائی یکسوئی کے بعد بھی اُسے دوبارہ جمالِ ایزدی نصیب نہ ہوا۔ آخر جب صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اسے فضا میں سے ایک آواز سنائی دی —— "اے کم سن بزرگ تجھے اس جنم میں اس سے زیادہ دیدار نصیب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب تو زندگی کے موجودہ لباس کو بدل کر دوسرے جنم میں ظاہر ہوگا تو پھر تو نہ صرف ہمارے دیدار سے مشرف ہوگا بلکہ ہماری شکتی کا منظہر اور ہمارے گیان کا عالم حقیقی بن جائیگا۔"

اس غیبی آواز سے وہ مطمئن ہو گیا اور برھما کے دھیان میں اپنی بقیہ حیات کو گذار کر آخر دیوتا کے روپ میں ظاہر ہوا اور عالم اور اہل عالم کو اپنی شکتی اور گیان کا مداح بنا لیا۔

دس ہفتہ سے موتی ٹاکیز دہلی میں

للکار

ہمیں ہا ہی اور تعجب نہیں کہ یہ فلم دہلی میں ریکارڈ قائم کر کے سلور جوبلی منائے راولپنڈی، آگرہ، کانپور۔ امرتسر اور دیگر مقامات سے اس فلم کی شاندار رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔ ہم اس فلم کے ڈسٹری بیوٹرز واڈیا پیرا ماؤنٹ پکچرز دہلی کو اس بے نظیر کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ (مینیجر)

موجِ کوثر

(از جناب مہندر سنگھ کوثر ایم، اے)

گلزارِ تصور ہے شاداب تمنّا ہے
جینا جسے کہتے ہیں شاید یہی جینا ہے

انسان کی ہستی کا کچھ راز نہیں کھلتا
آتا ہے کہاں سے اور کس سمت یہ جاتا ہے

اے حسنِ ازل تیرے کیا خوب یہ دو رخ ہیں
اک برق نظر ان کی اک طور کا جلوا ہے

اب فرق نہیں کچھ بھی دونوں کے مراتب میں
میں عشق میں کامل ہوں تو حسن میں یکتا ہے

اشکوں سے نہیں دھلتی تحریر مقدر کی
جو داغ ہے سینے میں کب رنج سے مٹتا ہے

کیا شکل یہ بدلی ہے آزارِ محبت نے
بیمار ہے سکتے میں حیران مسیحا ہے

ناقص کی نگاہیں کیا کامل کی طرف اُٹھیں
شپرک نے کبھی کوثر خورشید کو دیکھا ہے

دوسری قسط

(گذشتہ سے پیوستہ)

گیتائے اعظم

(از اعظم جلال آبادی)

باب دوسرا

"درسِ عرفاں"

(سنجے نے دھرت راشٹر سے کہا)

اشک آلود گھبرائی ہوئی حالت میں ارجن کو دیکھکر بھگوان کرشن نے تسلی دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔

ارجن! میدان کارزار میں داخل ہوکر یہ "بزدلانہ خیالات" تیرے دل میں کیوں پیدا ہونے لگے؟ اس قسم کے خیالات بہادر اور جوانمرد لوگوں کو ہرگز زیب نہیں دیتے۔ نہ ہی اس قسم کے خیالات رکھنے والا کبھی اوپر اٹھ سکتا ہے۔ اور نہ ہی شہرت اور عزت ہی حاصل کرسکتا ہے۔

اے ارجن! کمزور خیالات کو دل سے نکال دے اور جرأت اور ہمت سے کام لیکر میدان جنگ میں کود جا۔

ارجن نے مودبانہ عرض کی۔

اے پربھو! میدان جنگ میں جاکر "بھیشم پتامہ" اور "درون آچاریہ" جی کے سامنے ہتھیار اُٹھانے کی مجھے جرأت کس طرح ہوگی۔ یہ دونوں مقتدر ہستیاں میرے لئے واجب التعظیم ہیں۔ اساتذہ کرام کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاتا ہوا کچکول گدائی ہاتھ میں لیکر بھیک مانگ لینا مجھے منظور ہے مگر استادانِ فن کو مار کر خون آلودہ نفس پرستی کا شکار ہونا مجھے پسند نہیں۔

اور پھر ہم یہ بھی تو نہیں جانتے کہ کون سا راہِ عمل ہمارے لئے درست ہے۔ اور فتح ہم دونوں فریقین میں سے کس کو نصیب ہوگی۔ جن لوگوں کی موت ہم سب کی زندگی کو اجیرن کردیگی۔ وہی ہمارے برادران "دھرت راشٹر" کے بیٹے ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔

لہذا انہیں دھارمک خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کے بزدلانہ سوالات آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ میرے لئے صراط المستقیم جو آپ مناسب سمجھیں ارشاد فرمائیے۔ کیونکہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرچکا ہوں۔ اور آپ کو اپنا روحانی مرشد تسلیم کرچکا ہوں۔

تمام روئے زمین پر آپ کے سوائے مجھے راستہ دکھانے والا نظر نہیں آتا۔ میں سخت رنج کی حالت میں ہوں۔

(سنجے نے دھرت راشٹر سے عرض کی)

اے ارجن! نیند پر قابو پالینے والے بہادر ارجن نے روشن ضمیر بھگوان کرشن جی مہاراج کے سامنے ان الفاظ میں عرض کرنے کے بعد کہ "مہاراج میں لڑائی نہیں لڑوں گا"۔ خاموشی اختیار کی۔ بعدازیں روشن ضمیر بھگوان سری کرشن نے مسکراتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:۔

اے ارجن! عالمانہ خیالات رکھتے ہوئے بھی تو آج ان معمولی باتوں کیلئے متفکر نظر آرہا ہے جن پر فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ "عالم" اور "عارف" لوگ تو "مردہ یا زندہ" کسی کے لئے بھی غم نہیں کرتے۔

نہ تو یہ ہی درست ہے کہ میں کسی وقت نہیں تھا۔ اور نہ تو اور نہ یہ تمام راجہ لوگ ہی تھے۔ اور نہ یہ ہی سچ ہے کہ اس کے آگے ہم سب نہیں رہیں گے۔

جس طرح "جیو آتما" کو اس جسم خاکی میں "بچپن"۔ "بڑھاپا" اور "جوانی" کی طرح کئی منازل طے کرنی پڑتی ہیں۔ اسی طرح اس "جیو آتما" کو مختلف اجسام بھی ملتے رہے ہیں۔ اس لئے دانا انسان اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

اے ارجن! گرم وسرد رطب ویابس تکلیف دہ اور راحت رساں قوی وانفعال کے اتحادِ عمل سے تو یہ ازلی اور دائمی ہیں۔ اس لئے ارجن! تجھے ان کے لئے قوتِ برداشت سے ہی کام لینا چاہئیے۔

اے کیونکہ رنج وراحت کو یکساں خیال کرنے والے جس سنجیدہ مزاج

انسان کو یہ قوی انفعال پہنچا نہیں کرسکتے۔ وہ شخص نجات حاصل کرنے کا حقدار ہے۔

"کذب و باطل" کا یقین نہیں اور "حقیقت" سے انکار نہیں۔ ان دونوں کا دقیق علم عالم شخصوں کو ہی ہوا کرتا ہے۔

قانونِ قدرت کے اس اصول کے مطابق "لافانی" تو اسکو ہی سمجھ جس سے یہ کائنات عالم وجود میں آیا ہے۔ کیونکہ اس "لافانی ہستی" کو کوئی بھی فنا کرنے والا پیدا نہیں ہوا۔

اور اس "زندہ جاوید" "دائم" "جیو آتما" کے یہ سب اجسام فنا ہونے والے ہی تسلیم کئے گئے ہیں (یعنی جسم مرتا ہے روح نہیں مرتی) اس لئے تو شوق سے برسر پیکار ہوجا۔

جو انسان اس "جیو آتما" کو فنا کرنے والا یا فنا ہونے والا سمجھتا ہے وہ لاعلم ہے۔ کیونکہ یہ "جیو آتما" نہ خود فنا ہوتا ہے اور نہ کسی کو فنا کرتا ہے

یہ آتما نہ کبھی پیدا ہوتا ہے۔ نہ مرتا ہے۔ اس آتما کا کوئی جنم نہیں۔ یہ دائم اور قدیمی ہے جسم کے تباہ ہو جانیکے بعد بھی یہ تباہ نہیں ہوتا۔

اے اور وطن کے شیدائی ارجن! جو انسان اس "آتما" کو "لافانی" (امر) "بے خوف" (ابھے) اور "ازلی" تصور کرتا ہے وہ بھلا کسی کا خون کرسکتا ہے؟ یا کروا سکتا ہے؟

اور اگر تیرا خیال ہو کہ "میں تو جسم کی علیحدگی کا ہی رنج کرتا ہوں" تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ جس طرح انسان پرانے اور بوسیدہ کپڑوں کو تن سے اتار کر نئے کپڑے زیب تن کرلیتا ہے۔ ویسے ہی "جیو آتما" بھی پرانے اور بوسیدہ جسم خاکی کو چھوڑ کر دوسرے نئے جسم کو حاصل کرلیتا ہے۔

اے ارجن! اس آتما کو ہتھیار نہیں کاٹ سکتے۔ آگ بھی نہیں جلا سکتی۔ اور اس کو پانی بھی زیر آب نہیں کرسکتا۔ اور ہوا بھی اسے خشک نہیں کرسکتی۔

کیونکہ یہ آتما نہ کٹنے والی، نہ جلنے والی، نہ ڈوبنے والی اور یقیناً "قدیمی" "لافانی"۔ "بے خوف"۔ "محیط کل"۔ ہمیشہ قائم اور دائم رہنے والی بہت قدیمی چیز ہے۔

یہ "آتما" قوی ظاہری و باطنی اور "من" (ضمیر) کا خاص فعل اور کبھی بھی تبدیل نہ ہونے والا تسلیم کیا جاچکا ہے۔ اس لئے اتنی بلند چیز (آتما) کے لئے اس طرح کے بے معنی خیالات سے رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔

اور اگر تو اس کو ہمیشہ پیدا ہونے والی اور مرنے والی بھی خیال کرلے تو بھی اے ارجن! اس قدر غمگین ہونا تیرے لئے مناسب نہیں۔

کیونکہ ایسا ہونے سے تو پیدا ہونے والے کی موت بھی یقینی اور مرنے والے کا دوبارہ جنم بھی یقینی امر ثابت ہوتا ہے تو پھر تدبیر والے مضمون پر اظہار افسوس کرنا کہاں کی دانائی ہے۔

باقی رہے یہ جسم وغیرہ اجسام خاکی جو کہ مادی ہونے کی وجہ سے یقیناً تباہ ہونے والے ہی ہیں۔ پھر ایسے تباہ حال اجسام کے تباہ ہونے کا رنج کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

اے ارجن! ہر ایک انسان پیدا ہونے سے پیشتر بھی جسم والے نہ تھے۔ اور بعد مرگ بھی بغیر جسم کے ہی رہیں گے۔ البتہ اس درمیانی وقفہ میں ہی صاحب جسم معلوم ہوتے ہیں۔ تو پھر فکر کیوں؟

اور اے ارجن! یہ آتما بھی ایک وسیع مضمون ہے اور بڑی بڑی برگزیدہ ہستیوں کے پیش نظر بھی یہ "آتما" حیرانی کا مضمون ہی بنا رہا ہے۔ اس آتما کی گہرائیوں سے بخوبی واقف بزرگ لوگ بھی نہایت حیرانی کے ساتھ اس کا ذکر لب پر لاتے ہیں۔ اور سامعین بھی اس کے ذکر خیر کو حیرانی کے ساتھ ہی سنتے ہیں۔ اور سنکر بھی اس کو نہیں جانتے۔

اے ارجن! یہ آتما سب کے جسم میں زندہ جاوید ہے۔ اس لئے ہر جاندار کیلئے اظہار غم کرنے کا تو حقدار نہیں۔

اور اپنے دھرم (ایمان) کے پیش نظر بھی تجھ کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایک "سچے ستیہ گرہی" کے لئے لڑائی سے بڑھکر کوئی دوسرا کام نہیں۔ سچے کشتریوں کا یہی دھرم ہے۔

اے بہادر ارجن! بہشت کے دروازہ کو کھلا دیکھکر کشتری لوگ اس قسم کی لڑائی میں خود بخود شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور اگر تو اس "ستیہ گرہی سنگرام" (حق و باطل کی جنگ) کو نہیں کریگا تو دھرم ایمان، عزت، آبرو کو کھو کر گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا۔

اور بہت سے لوگ تیری دائمی بے عزتی کا ذکر نفرت اور حقارت کے ساتھ کریں گے۔ اور اپنی بے عزتی کا احساس نیک بندوں کے لئے مرجانے سے بدتر ہے۔

اور جن لوگوں میں تو شہرت دوامی حاصل کرچکا ہے۔ وہی بہادر لوگ تجھے خائف ہوکر میدان جنگ سے بھاگا ہوا مردود تصور کرینگے۔

تیرے عدو تیری بہادری کے متعلق بدکلامی کرتے ہوئے بہت سی ناشنید باتوں کو بھی کہیں گے۔ پھر اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہوگی۔

اس لئے تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ بہادروں کی موت مرے۔ نہ

کہ ذلت کی ۔ کیونکہ یا تو بعد از مرگ خلد نشین ہوگا یا فاتح ہونے کے بعد والئے سلطنت کہلائے گا ۔ اس لئے اے ارجن! جنگ میں یقین کامل کے ساتھ شمولیت کے لئے کمربستہ ہوجا ۔

اگر تجھے بہشت اور سلطنت کی خواہش نہیں ہے تو بھی "رنج و راحت" کمی بیشی اور فتح و نصرت کو یکساں سمجھ کر لڑنے کی ٹھان لے ۔ اس نظریہ کے ماتحت تو گنہگار بھی نہیں ہوگا ۔

اے ارجن! یہ دلیل تیرے لئے "گیان یوگ" (علم العرفان) کے مطابق دی گئی ہے ۔ اب ایک دلیل "نشکام کرم یوگ" (بے غرضانہ عمل) کے مطابق بھی سن ۔ جس دلیل کو سن کر تو کرموں کے بندھن کو اچھی طرح سے توڑ دیگا ۔

اس "نشکام کرم یوگ" میں تخم کے ضائع ہونے کا سوال ہی نہیں رہتا ۔ بلکہ تحصیل ثمر میں بھی کوئی برائی نہیں ہوتی ۔ اس لئے اسی (نشکام کرم یوگ) "بے غرضانہ عمل کے طریقہ کی تھوڑی سی مشق بھی زندگی اور موت" کے خوف کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیتی ہے ۔

اور اے ارجن! اس راہ نجات میں ہی عقل کو وحدت کا درجہ حاصل ہے ۔ ورنہ جہلا کے نزدیک تو "عقل" کے بہت سے اقسام ہیں ۔

اے ارجن! جاہل لوگ تحصیل ثمر میں یقین رکھنے والے بہشت کو ہی سب سے بہتر خیال کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے ۔ وہ بے وقوف محض طاقت اور قدرت کا وسیلہ حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقہ استعمال کرتے رہتے ہیں ۔

ایسے ذرائع سے ضمیر فروشی اور قدرت کو حاصل کرنے والے انسانوں کو اپنی "اندرونی لازوال روحانی قوت" حاصل نہیں ہوتی ۔

اے ارجن! سب وید کل کائنات کو (جو کہ دراصل ارکان اربعہ کا ہی نتیجہ ہیں) ظاہر کرنے والے ہیں ۔ اس لئے تیرے لئے لازم ہے کہ "بے غرض طریق عمل" کا عامل بن کر رنج و راحت سے آزادی حاصل کر اور ابدی خزانہ کو نہ چھوڑ ۔

کیونکہ انسان غواص بحر ذخار میں غوطہ زن ہونے کے بعد چھوٹے سے تالاب کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا ۔ اسی طرح بخوبی طور پر قادر مطلق (برہم) کو جاننے والے برہمن کا بھی سب ویدوں سے اتنا ہی تعلق رہتا ہے ۔

اسی لئے تیرا علم عمل کے لئے ہی لازم ہے ۔ ثمر حاصل کرنے کے لئے کبھی نہیں ۔ اور تو عمل کے نتیجہ کی بھی خواہش مت کر ۔

اے ارجن! طاقت کے احساس کو برطرف کر کے سدھی اور اسدھی میں معمولی عقل رکھنے والا ۔ یوگ (طریق عمل) میں داخل ہو کر عمل کو کرے ۔ مگر اس کے نتیجہ کو حاصل کرنے کی خواہش نہ رکھے ۔ وہی یوگ ہے ۔

عقلی اعمال (بدھی یوگ) کے نزدیک خود غرضی ایک مذموم فعل ہے لہذا نشکام کرم یوگ (بے غرضانہ عمل) کا سہارا لیکر نہایت خلوص دلی کے ساتھ ہر ایک دنیاوی کام کو سرانجام دیتا رہ ۔ کیونکہ اہل غرض ہمیشہ محتاج ہی رہتے ہیں ۔

عقلمند انسان عیب و ثواب دونوں کو ہی اس دنیا میں ترک کر دیتا ہے یعنی گناہ اور ثواب دونوں کو ہی نرالعقل کے سامنے کچھ اہمیت نہیں دیتا ۔ اس لئے تو عارفانہ یوگ کی خواہش رکھتا ہوا نرالعقل کو سرانجام دے ۔ یعنی یہی ایک ذریعہ ہے جس سے انسان فعل و عمل سے حقیقتاً آزاد ہو جاتا ہے ۔

کیونکہ عارفانہ یوگ کے ذریعہ عامل کامل اپنے عمل سے ظاہر ہونے والے ثمر کو ترک کر کے زندگی اور موت کے بندھن سے آزاد ہو کر آب حیات پینے والے کی طرح زندہ جاوید ہو جاتا ہے ۔

اور اے ارجن! جس وقت تو موہ کی دلدل کو عبور کر لیگا تب تو قابل سماعت اور سماعت شدہ "ویراگیہ" کو پہنچے گا ۔

اور جب تیری عقل مختلف اقسام کے دلائل سننے کے بعد مالک کل (پرماتما) کے چرنوں میں قائم ہو جائیگی ۔ تب تو "ستھتو روپ یوگ" کو حاصل کرے گا ۔

یہ سن کر ارجن نے عرض کی :-

کیشو! سمادھی استھا (مراقبے کی حالت) میں پہنچے ہوئے کی پہچان کیا ہے؟ اور قائم شدہ عقل و حواس والے کی طرز گفتگو، نشست و برخاست کس قسم کی ہوتی ہے؟

ارشاد ہوتا ہے :-

اے ارجن! جس وقت یہ انسان من (ضمیر) میں قائم شدہ خواہشات کو ترک کر دیتا ہے اس وقت آتما (روح باطن) سے آتما میں داخل شدہ باعقل و ہوشمند کہلاتا ہے ۔

رنج و راحت، حرص و آز اور غم و غصہ جس شخص کے یہ سب دور ہو چکے ہوں اسکو بھی باعقل ہوشمند ہی خیال کر چاہیئے ۔

اور جو انسان ہر ایک سے (اچھا ہو یا برا) نہ کدورت رکھتا ہے نہ دوستی، وہ صاف باطن شخص بھی عقلمند ہی کہلاتا ہے ۔

جس طرح "سنگ پشت" (کچھوا) اپنے اطراف کو سمیٹ لیتا ہے، ویسے ہی عقلمند انسان اپنے تمام قوئ کو ان کے افعال سے

روک لیتا ہے ۔

اگر اس قسم کے انسان سے کوئی فعل سرزد ہو بھی جاتا ہے تو بھی وہ حریص نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکے دل میں تو دیدارِ مولا کی تڑپ ہی موجود ہوتی ہے ۔

اے ارجن ! ہر طرح سے کوشاں انسان کے "من" کو یہ اِندریاں (حواس خمسہ) فتح کرلیتی ہیں ۔ اس واسطے لازم ہے ۔ اِن اِندریوں کو قابو میں رکھتے ہوئے پاک باطن ہو کر میرے سامنے کھڑا ہے کیونکہ جو نفسِ امارہ پر قابو پا لیتا ہے ۔ اسی کو تو عقلمند کہتے ہیں ۔

اور اے ارجن ! "من" کے ساتھ "اِندریوں" کو بھی قابو میں کرکے میرے سامنے نہ ہونے سے "من" کے ذریعہ خواہشات نفسانی کا دخول ہوتا ہے ۔

خواہشات میں پھنسے ہوئے انسان کی طبیعت بیہودگی کی طرف مائل ہو جاتی ہے ۔ نفس بیدار ہو جاتا ہے ۔ اور پھر اُن خواہشات کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے "غم و غصہ" کی لہر دوڑ جاتی ہے ۔

اور غم و غصہ (کرودھ) بیوقوفی کی نشانی ہے ۔ اور "بیوقوفی" باعث ہوتی ہے "بیہودگی اور بکواس" کی ۔ بکواس انسان کی گیان شکتی (علم الادراک) کو تباہ کرلیتا ہے ۔ اور جب عقل ضائع ہو جاتی ہے تو انسان اعلےٰ افعال کو چھوڑ کر فعلِ بد کا شکار ہوتا ہے ۔

مگر اعلےٰ افعال کا عامل ، دشمنی اور دوستی سے آزاد رہکر اپنے سرکش حواس خمسہ کے ذریعے خواہشات کو پورا کرتا ہوا ۔ تمام اندرونی مسرتوں کو حاصل کرلیتا ہے ۔ اور اس پاکیزگی کی وجہ سے اسکے تمام رنج و کلفت دُور ہو جاتے ہیں ۔ اور خوش و خرم انسان کی عقل بہت جلد قائم ہو جاتی ہے ۔

اور اے ارجن ! مشق عمل نہ کرنیوالے انسان بد باطن ہوتے ہیں ۔ اِسی لئے جاہل و بد باطن کو سکونِ قلب بھی نصیب نہیں ہوتا ۔ اِسی لئے مغموم اور پریشان انسان کو راحت بھی نصیب ہونی بہت مشکل ہے ۔

کیونکہ جس طرح سطحِ آب پر تیرتی ہوئی کشتی کو ہوا کا ایک جھونکا مغلوب کرلیتا ہے ۔ ویسے ہی خواہشاتِ انسانی سے بندھے ہوئے کے درمیان حس کے سفلی جذبات عقل کو قابو میں کر لیتے ہیں ۔

اس سے اے بلند حوصلہ مرد نیک ارجن ! جس انسان کی اِندریاں حواس خمسہ ہر طرح کی خواہشات پر قابو پالیتی ہیں وہ یقیناً صحیح العقل کہلاتا ہے ۔

اور اے ارجن ! تمام جانداروں کے لئے جو "رات" ہے ۔ اُس آرام دہ خوشگوار رات میں "واصل حق" انسان بیدار رہتا ہے ۔ اور فنا ہو جانے والی جن دنیوی راحتوں کے لئے دُنیا والے جاگتے ہیں ۔ گہرائی تک دسترس رکھنے والے یوگی انسان کیلئے وہ دن بھی "رات" کے ہی برابر ہے ۔

جیسے ہر طرح سے بھرپور بحرِ زخار تک مختلف دریاؤں کے پانی سمندر کو اپنی طرف متوجہ نہ پاتے ہوئے رواداری سے خود ہی چل کر اس میں جا ملتے ہیں ۔ ویسے ہی سنجیدہ مزاج سلیم العقل انسان کے نزدیک تمام خواہشات گزند پہنچانے بغیر اس میں سما جاتی ہیں ۔ اِس لئے وہی انسان سکونِ قلب کو حاصل کرتا ہے ۔ نہ کہ خواہشات کو پسند رکھنے والا حریص ۔

کیونکہ جو انسان تمام خواہشات کو چھوڑ کر "موہ ممتا" سے آزاد ، غرور و تکبر ، حرص و آز سے کوسوں دور رہتا ہے ۔ وہی شانتی (تسکین قلبی) کو حاصل کرتا ہے ۔

اے ارجن ! یہ واصل انسان کی حقیقت ہے ۔ اس حقیقت کو حاصل کر کے خواہشات میں اسیر نہیں ہوتا اور آخری اوقات میں بھی انہیں اصولوں پر قائم رہکر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے ۔

دوسرا باب ختم

(باقی آئندہ)

اسلامی تہذیب و تمدن

(از جناب خان بہادر مولوی عطاء الرحمٰن صاحب ایم، اے پرائیویٹ سکریٹری جناب پرائم منسٹر بہادر آسام)

قرآن مجید نے نہایت شد و مد کے ساتھ دُنیاوی علائق اور فرائض کی ذمہ داریوں سے علیحدگی کی سخت مخالفت کی ہے۔ مذہبی نظریوں کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ قرآن مجید کی یہ تعلیم ہے کہ وہ اپنی سماجی ذمہ داریوں کو سمجھ سوچ کر اُن پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔ اور ذاتی فوائد کو قومی منفعت کے تابع رکھے۔ اسلام کی یہ اعلےٰ تعلیم، کہ ہر فرد خاندان اپنے خاندان کو زندہ رکھنے کے لئے زندہ ہے۔ اور خاندان "قوم" کے لئے۔ اور قوم کو زندہ رہنا چاہیے اِنسانیت کے لئے، گویا اس نظریہ کے ماتحت تہذیب و تمدن کی بنیاو ڈالی ہے۔

اسلام کو اپنی زندگی کے گذشتہ کئی صدیوں میں کئی مختلف تہذیب و تمدن سے میل جول رکھنے کا واسطہ پڑا ہے۔ شروع شروع میں ایرانی اور عیسائی تہذیب جن کا ماضی بہت درخشندہ تھا ان تہذیبوں نے اسلام کو عنفوان شباب میں ہی اپنا رنگ دینا شروع کیا۔ بعد ترکوں اور منگولیوں کے دائرہ اسلام میں داخلہ نے بھی اسلامی کلچر پر اپنے اثرات پیدا کئے۔ اسکے بعد مُسلمانوں کی ہندستان میں فتوحات نے اسلام کی مشرق میں براہ راست ایک بہت بڑی تہذیب سے ملا دیا۔ جو اپنے پیچھے ہزار ہا سال کی تاریخ رکھتی تھی۔

اسلام نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ دوسروں سے بہت کچھ اخذ بھی کیا اور پھر بانٹنے میں بھی نہایت فراخ دلی سے ہی کام لیا۔ اس نے حیرت انگیز طور پر خارجی کلچر کے اجزا کو جذب کیا۔ اور قابل رشک طریق پر اپنے کلچر کے بنیادی اصولوں کو بھی قائم رکھا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں اسلام پر یونانی فلسفہ کا بہت گہرا رنگ چڑھا ہے جو حقیقتاً اسکی رُوح اور مغز سے کلیتہً مطابقت نہ رکھتی تھی۔ مگر غزالی جیسی شخصیتوں کی عظیم الشان کوششوں کی بدولت یونانی فلاسفی کو اسلام کے مطابق کر لیا گیا۔ اس خلط ملط سے اسلام کا ثقافتی ذخیرہ اس یونانی میراث کی وجہ سے بہت بڑھ گیا۔ اس کے نتیجہ میں ایک نیا علم کلام پیدا ہوگیا جس نے روئے زمین کے تمام مُسلمانوں کے تخیلات اور زندگی پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔

"ایرانی کلچر" جو اپنی اصلیت کے لحاظ سے "آرین" تھا۔ فاتح عربوں کی سامی ذہنیت سے بالکل اجنبی تھا۔ مگر پھر بھی ایک صدی کے مختصر عرصہ میں "سامی اور آرین" تہذیبیں ایک ہم آہنگ وحدت میں ڈھل گئیں۔ بلا شبہ اسلامی تاریخ میں یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے جس کے نتائج بہت دُور رس ہیں۔

اِس باہمی مصالحانہ عمل کی وجہ سے ایک مشترکہ تہذیب نے جنم لیا۔ جو نہ عربی تھا نہ ایرانی، بلکہ اپنی خصوصیات اور بناوٹ کے اعتبار سے اِسلامی تھا۔ سامی تہذیب کی درشتی ایرانیوں کی شائستگی سے نرم ہوگئی۔ ایرانیوں نے اپنی جگہ کر خت عربوں سے ملنے پر اپنی قومی وضع کو مضبوط بنا لیا۔ نہایت ذی فہم لوگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے عربی زبان میں دسترس حاصل کر لینے کے بعد اپنی کثیر تصانیف سے اسلام کی عموماً اور عربی لٹریچر کی خصوصاً نمایاں خدمت سر انجام دی۔

معاشرتی نظام اور سیاسی طرزِ عمل میں بھی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ جو غالباً اسلام کے مسلّمہ اصولوں کے موافق نہیں تھیں۔ درحقیقت عربوں کے تمدنی اقتدار کے خلاف کارروائیوں کے طور پر شعوبیہ تحریک کی طرح کی تحریکیں ظہور میں آگئیں۔ اور ان کے مجموعی اثر نے عباسی حکومت کو کمزور کر دیا۔

دوسرے ممالک میں بھی جہاں اسلام پہنچا۔ بالخصوص ہندستان میں ایسی ہی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ اور اسلام کی حیرت انگیز صلاحیت قبول نے اسکی کلچرل مطابقت کے رفتار کو تیز کر دیا۔ تاہم اس عمل مطابقت میں ہر حالت میں یہ شرط ہوتی تھی کہ اس عمل کے کسی درجہ پر بھی مذہب کے بنیادی اصول کو کسی طور پر بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

مُسلمانوں نے خواہ وہ کسی ملک یا کسی مقام کو جا کے رہائش بنا لیا ہے۔ اپنے کلچر کی مذہبی ہیئت سالمہ کی حفاظت کے لئے غیر ملکی

جوش کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ کا ایک منصفانہ مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ تشدد کی تلوار اور آگ نہ تھی جس نے دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو متمکن ہونے میں مدد دی۔ بلکہ یہ اُن کی مذہب کیلئے سچی دُھن اور لگن تھی جس کے ساتھ یہ خیال بھی کام کر رہا تھا کہ خدا تعالیٰ صرف مسلمانوں کا ہی رب نہیں ہے بلکہ رب العالمین ہے۔

دنیا نے اب تک جان لیا ہوگا۔ اور اگر ابھی تک نہیں جانا تو جلد یا بدیر یہ جان لیگی کہ سقراط اور افلاطون سے لے کر اب تک کے تمام فلاسفر انسانی اخلاق کا کوئی ایسا ضابطہ ترتیب دینے میں ناکام ہو چکے ہیں، جو انسانوں کو اس قابل بنا سکے کہ وہ پُر امن زندگی بسر کریں۔ اور دوسرے ان انسانوں کے حقوق کا ایسا ہی پاس کریں کہ قومی اور انفرادی طور پر لوگ اپنی زندگی بے روک ٹوک بسر کر سکیں۔

رب العالمین خدا کی وحدانیت کے اسی تصور میں اسلامی تہذیب کی حقیقی رُوح کا چشمہ اُبلتا ہے۔ وہ اسلام! جس نے تہذیب کو نوع انسانی کے لئے باعث رحمت و برکت بنا دیا ہے۔ ہم اس اسلامی تہذیب کے صرف تین اصول بیان کرتے ہیں۔

(اوّل) مساوات اور اخوت انسانی۔
(دوئم) رواداری اور آزادی کی رُوح۔
(سوئم) ترقیٔ علم۔

اوّل مساوات اور اخوت انسانی ہی ایک ایسا اصول ہے جو اسلام کی جامد وحدانیت سے مطابقت رکھتا ہے۔ تمام بنی نوع انسان کو ایک دوسرے کا بھائی سمجھا جائے۔ اور سب کو ایک ہی حیثیت دیجائے اور سب سے برابر کا سلوک روا رکھا جائے۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ کے واصل حق ہونے کے بعد اس عظیم الشان اصل کے متعلق کچھ شک و شبہ نہ پیدا ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخر خطبہ میں جو حضور نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر دیا، فرمایا:-

"اے لوگو! سُنو!! تم سب ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ تم میں سے ہر ایک کی جان اور مال اور عزت اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی طرح معزز ہے۔ سُنو! کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا۔ اور تمہاری عورتیں! تمہاری عورتیں! دیکھو اُن کے معاملہ میں تقویٰ اللہ اختیار کرنا۔ جس طرح تمہارے حقوق اُن پر ہیں اُن کے حقوق تم پر ہیں اور تمہارے غلام! تمہارے غلام!! دیکھو اُن سے انصاف کا برتاؤ کرنا۔ اُن کو وہ کھلانا جو تم کھاتے ہو اور اُن کو وہ پہنانا جو تم پہنتے ہو۔"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دلکش اور پُر اثر الفاظ کا آج تک احترام کیا جاتا ہے اسلام کے ارتقا کی کسی منزل میں بھی رنگ کی بنا پر کوئی قانونی یا معاشرتی امتیاز نہیں پایا جاتا۔

اسلام نے نسلی امتیاز کے تصور کو کبھی بھی روا نہیں رکھا۔ یہاں! علیحدگی کا کوئی سوال نہیں۔ اسلام کے سامنے چھوت چھات کے مسائل کبھی نہیں آئے۔ اسلام نے ہمیشہ زبردستوں کے مقابلہ میں زیردستوں کی حمایت کی۔ اسلام جہاں کہیں بھی گیا اس کا استقبال کرنے کے لئے کمزور اور پامال شخص ہی آئے۔

ذات پات کی سختی اور اصلی باشندوں کے ملکی حقوق سے محرومی ہندستان میں اسلام کے پھیلنے کا باعث ہوئی ہے۔

غلامی کو بطور ایک قانون اور آئین کے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔

کمزوروں اور کم حیثیت کے لوگوں کو اُٹھا کر سماج کے خوش قسمت افراد کے ہم مرتبہ کر دینا اس زمانہ میں انسانیت کے لئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ یہ کہنے میں ہم بھی اقبال کے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں ؎

عہد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگیں تر از معمار نیست
پیش قرآں بندہ و مولیٰ یکے ست
بوریا و مسند دیبا یکے ست

اسلام میں عورت کی حیثیت

اسلام نے عورت کی حیثیت کو اتنا بلند کیا ہے جو مشرق و مغرب کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں عورت کو حاصل نہیں۔ وراثت اور جائداد کی مستقل ملکیت کے ایسے حقوق اُسے حاصل ہیں جنکا جواب کسی سماج میں نہیں ملتا۔ ہندستان کی مجالس وضع قوانین نے عورتوں کے حقوق کے متعلق جو قوانین بنائے ہیں وہ اُن سے بہت کم ہیں جو اسلامی قانون کی رُو سے عورت کو حاصل ہیں۔

طریقِ زندگی کے متعلق رواداری

رواداری کی رُوح کے بغیر کوئی کلچرل ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکتا

اس کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے فرقوں کو اپنے اپنے معاشرتی اور مذہبی نظاموں کو قائم رکھنے میں رکاوٹ پیدا نہ کی جائے۔

ہندستان میں اسلامی حکومت کے دوران میں غیر مسلموں سے سلوک

جب ہندستان میں اسلامی راج قائم تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ اسی رواداری کا سلوک رکھا گیا۔ نوجوان محمد بن قاسم نے سندھ کی فتح کے معاً بعد یہ عام اعلان کیا کہ "ہندوؤں کو اپنے قوانین اور رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی ہے۔ جنگ کے دوران میں چند ایک مندروں کو نقصان پہنچا تھا۔ برہمن آباد کے ہندوؤں نے جب اس کی شکایت کی تو حکم دیا گیا کہ فوراً ان کی درستی کرائی جائے۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ ٹیکس کا تین فی صدی مندروں کی مرمت کے لئے علیحدہ کردیا جائے۔ شہنشاہ بابر نے اپنی آخری وصیت میں اپنے بیٹے ہمایوں کو دوسری نصائح کے ساتھ یہ نصیحت بھی کی کہ "کسی شخص کے خلاف تعصب تمہارے فیصلہ کو متاثر نہ کرنے پائے۔ تمام فرقوں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرنا۔ اگر ملک میں امن چاہتے ہو تو عبادت گاہوں کو کبھی برباد نہ کرنا۔ ہر ایک سے انصاف سے پیش آنا وغیرہ"

اکبر کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کا تو نام ہی بےتعصبی اور انتہائی رواداری کے لئے بطور ضرب المثل مشہور ہے۔

اسلامی ثقافت کی روح

ہندستان اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں نے علمی خزانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا۔ تمام ذرائع سے علوم کو جمع کیا۔ فزیکل سائنس علم ادب۔ فلسفہ کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو ان کی فہیمانہ تحقیقات کی زد سے باہر رہا ہو۔ عبادت گاہوں اور راہب خانوں سے کتب کی تلاش کی گئی۔ اور مشترکہ دولت بنانے کیلئے انکے ترجمے عام فہم زبانوں میں کئے۔ دارالعلوم ہمیشہ علم کا مرکز رہے سرکاری امداد عطا ہوئی۔ یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ جہاں تمام دنیا کے طلبا جمع ہوئے۔ لائبریریاں قائم کی جائیں۔

کتابوں کی اس تلاش اور علم کی افزائش کے شوق نے مسلمانوں کو مختلف مذاہب اور فرقوں سے ملکر کام کرنے کی عادت ڈال دی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں ہر مسجد کے ساتھ ایک سکول ہوتا تھا۔ دنیا ہمیشہ مسلمانوں کی ممنون احسان رہے گی۔ اس لئے کہ انہوں نے قدما کے ذہنی خزانوں کو گوشۂ گمنامی سے نکالا۔ اور اس میں اضافہ کیا۔

(باقی باقی)

گفتارِ ناطق

(از فخر المتاخرین پیر خمخانۂ سخن مولانا ناطق گلاؤٹھوی مدظلہٗ)

ثباتِ نقشِ ہستی دیکھکر تحریر ہنستی ہے
طرب آمادۂ تمثال پر تصویر ہنستی ہے

رہے گی نالہ کش سرگرمِ جولاں جنوں ہوکر
شرار آتشِ آہن سے کیا زنجیر ہنستی ہے

ہنسی کیسی ہے رولے بےخبر انجام شادی سے
ادھر تو ہنس رہا ہے اور اُدھر تقدیر ہنستی ہے

ہمارا نسخۂ دردِ جگر بزمِ نکوہش تھا
دوائیں طعنہ زن ہیں چارہ گر تاثیر ہنستی ہے

اثر ہے دامِ کید اشک کا اک صید رم کردہ
بیانِ حال پہ خود غیر کی تقریر ہنستی ہے

فروغِ تازہ اہلِ سوز کو ہے سر کے کٹنے سے
شرارِ گل سے تجھ پر شمع اے گلگیر ہنستی ہے

خوشی ہے ان سے ملکر دو گھڑی ہنس بول لینے کی
ہم ایسے دیکھتے ہیں خواب اور تعبیر ہنستی ہے

یہ تو ہنستا نہیں اے بےخبر ہم خاکساروں پر
تری چشمِ قیادت کیش پر تحقیر ہنستی ہے

بیانِ دردِ دل ہے جوہرِ حسنِ بیاں ناطق
دمِ فکرِ سخن ہم روتے ہیں تحریر ہنستی ہے

اسلام اور انسانیت

(از جناب مولانا خالد اختر احسنی افغانی)

نباض فطرت حضرت مولانا خالد اختر احسنی افغانی (علیگ) قادر الکلام شاعر و ناثر اور دیدہ ور ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک غیور، خوددار اور اولوالعزم سالار کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اس وقت موصوف قومی اور ملکی خدمات کے علاوہ "طارق دہلی" بمبئی اور دیگر جرائد کے فرائض ادارت بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ ہم سپاس گزار ہیں کہ موصوف نے ہماری درخواست پر گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود یہ مقالہ مرحمت فرمایا۔ امید ہے موصوف آئندہ بھی اپنے رشحاتِ قلم سے "دستگیر" کے صفحات کو زینت بخشتے رہیں گے۔ (ادارہ)

فاراں کی چوٹی پر کھڑے ہو کر پکارنے والے نے کہا۔ "اے مکہ کے رہنے والو! انسانیت کی طرف لوٹ آؤ (یعنی وحدانیت پر ایمان لاؤ) درحقیقت وحدانیت پر ایمان لانا انسانیت کو اپنانے کے مترادف تھا۔ یہ اس وقت کی داستان ہے جب امتدادِ زمانہ نے انسانیت کو کوملیامیٹ کر دیا تھا۔ جب قریش مکہ کے علاوہ متمدن ملک میں بہیمانہ صفات سے متصف ہو چکے تھے۔ جب شام و عراق کے شاہی ایوانوں میں بدکاری، ظلم، استبداد اور عیاشی کا دور دورا تھا۔ عرب کے بدو درندوں سے بدتر خصائل کے مالک بن چکے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا آپ کو اپنا کفارہ سمجھ کر آپ کے نام پر دنیا کے ہر عیش اور ظلم کو روا سمجھ بیٹھے تھے۔ عین اس وقت فاران کی چوٹی سے آواز آئی اے نام نہاد انسانو! تم پیدا کئے گئے تھے ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے کیلئے، ایک دوسرے کے کام آنے کیلئے ایک دوسرے پر جان چھڑکنے کے لئے نہ کہ اس لئے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دو۔ معمولی واقعات کاری نسلوں تک جنگوں کی شکلیں اختیار کریں۔ تمہاری کنواریاں لات و منات کے نام پر رسوا و بے آبرو کی جائیں۔ آؤ اس طرف جہاں تم امان پاؤ گے انسانیت تمہارے قلوب کی درندگی کو دور کر دیگی۔ سننے والوں نے سنا اور کہنے والوں نے کہا۔ کہ کوئی دیوانہ ہے۔ لیکن ایک وقت آیا کہ

دیوانہ کہنے والوں نے اس ہمہ صفت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق کو انسانیت کا مخزن قرار دیا۔ پھر باصفت انسان بھائیوں کی طرح گلے ملے۔ اپنے تو اپنے غیر بھی اپنے ہو گئے۔ بیگانوں نے یگانگی اختیار کی۔ بدو تہذیب کے موجد قرار دیئے گئے۔ انہوں نے اس تمدن کی بنیاد ڈالی جس میں استبداد کا نام نہیں۔ جس میں ظلم ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ جس میں حق تلفی کا نشان نہیں۔ جس میں دشمنی کا فقدان ہے۔ جس میں آقائی حرف غلط کی طرح مٹا دی گئی۔ جس میں خودی کا درس جس میں ملک و ملت کی حفاظت کا سبق۔

اگر تعصب کی عینک اتار کر اسلام اور اصول اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان وحشیوں نے جنہیں عرب کے ریگستانوں کا لٹیرا اور ظالم گنا جاتا تھا، تہذیب و انسانیت کے کس طرح دریا بہا دیئے۔ اسلام نے دوئی کے پردہ کو چاک کرتے ہوئے یگانگت کا سبق پڑھایا۔ رسول مقبول نے اپنے عہد مبارک میں ہر قوم کے ساتھ بہتر سلوک فرمایا۔ آپ نے انصاف کے وقت یہ کبھی نہ دیکھا کہ ملزم مسلمان ہے یا یہودی۔ یہی وہ اسوہ تھا جس نے دنیا کو اسلام کا گرویدہ بنایا۔ بعض دانایان جنہیں تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہیں یا تعصب کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، اسلام پر معترض ہیں کہ یہ تلوار کے زور

سے پھیلا۔ لیکن اس کے ثبوت کیلئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر غزوات اور جنگوں کو اس ضمن میں پیش کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ شام وعراق کی جنگوں میں عیسائیوں نے اسلامی علم کے نیچے اپنوں کے کلیجوں میں خنجر بھونکے۔ اور وہ اس لئے کہ اپنے ظالم تھے، استبدادپسند تھے۔ عیاش تھے۔ اور　　پران کی سلطنتوں کی بنیادیں تھیں۔

جب مسلمان ان کے ممالک میں پہنچے انہوں نے ان کو دیکھا اور غور کیا کہ عرب کے درندے اخوت کی جان بنکر دعوت انسانیت دے رہے ہیں تو اُن کے قلوب متاثر ہوئے۔ تلوار کی نوک سے نہیں بلکہ اخلاق سے اور اس اخلاق سے جس کا سرچشمہ رحمت اللعالمین تھے۔ اسلامی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا کہ مسلمانوں نے کبھی اور کہیں ستم ڈھایا ہو۔ جہاں اسلامی جنگوں اور فتوحات کا ذکر ہے وہاں صریحاً لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے دعوت اسلام یعنی دعوت انسانیت دی یا کہا کہ آؤ اپنے اپنے عقائد پر کاربند رہتے ہوئے مخلوق خدا پر ظلم کرنا چھوڑدو۔ غلامی کی لعنت سے باز آؤ۔ ظلم وجور سے توبہ کرو۔ ہمیں اپنا نگراں سمجھو اور ہماری نگرانی میں انسانیت کو اپناؤ۔ مسلمان نہ بنو لیکن انسان بنو۔ حیوانیت و درندگی سے تائب ہو جاؤ۔ اور اگر تم یہ بھی نہ مانو گے تو پھر ہم تلوار کے بل بوتے پر دنیا سے ظلم و تعدی کو مٹا دینگے سو یہی ہوا۔ جہاں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا انہیں اپنا بھائی سمجھا گیا۔ اور جہاں انہوں نے ظلم و تعدی کو چھوڑ دینے کا وعدہ کیا مسلمانوں نے اُن کی حفاظت کی۔ اور ان کی سرکشی نے مجبور کیا۔ وہاں انسانیت کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی تلوار نیام سے نکلی اور ظلم کا قلع قمع کرنے کے بعد نیام میں داخل ہوئی۔ اس کھلی ہوئی تصریح کے بعد کوئی متعصب سے متعصب انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں نے تلوار کے ذریعہ دنیا کو رام کیا۔ مسلمان ہمیشہ صلح پسند رہے۔ صلح پسندی ان کا دین ہے۔ اور یہی چیز ان کیلئے طرۂ امتیاز ہے۔

آج کا مسلمان کاش اس اسوۂ حسنہ کو سمجھتا اور اس غلام ملک میں بھی وہی طریقہ کار اختیار کرتا جو ہمارے ہادی برحق نے مکہ و مدینہ میں اختیار کیا تھا۔

موجِ سخن

(از جناب ساگر نکودری دینانگری)

محبت میں یوں دل کے ارماں نکالے
بھریں سرد آہیں کئے گرم نالے

جو دل میں سمائے تو اُترے جگر میں
اداؤں کے خنجر نگاہوں سے بنالے

قیامت میں ڈھائیں گے طرفہ قیامت
مرے حیلہ جو تیرے حیلے حوالے

نہ سنبھلے گا بیمارِ اُلفت تمہارا
نہ ہوں گے نگاہوں کے جب تک سنبھالے

تمہاری نظر پھر بڑی جنگ جُو ہے
نہیں آج تک اس نے ہتھیار ڈالے

فقط رہ گیا جامۂ زیست باقی
اسے بھی نہ دستِ جنوں پھاڑ ڈالے

فلک کانپ اُٹھا، زمیں تھرتھرائی
قیامت بپا کر گئے میرے نالے

مجھے دے جوابِ سلام اے ستمگر
نہیں ہاتھ اُٹھتے تو خنجر اُٹھالے

جو غربت میں یادِ وطن آئے ساگر
تو چپکے سے دو چار آنسو بہالے

صحت پرور سبز ترکاریاں

(از جناب حکیم رحمانی صاحب)

حاذق الملک حکیم عبدالرحیم صاحب رحمانی ایک کامیاب وتجربہ کار طبیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ موصوف کی زیر سرپرستی عنبرین فارمیسی جلال آباد ضلع مظفر نگر عرصہ سے اپنی مجرب اور زود اثر ادویہ کے ذریعہ ملک کی بہت کچھ خدمت کر رہا ہے۔ اکثر جرائد میں بھی حکیم صاحب کے طبی مضامین برائے استفادہ عوام و خواص شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ مضمون ہماری درخواست پر موصوف نے "دستگیر" کے لئے مرحمت فرمایا ہے۔ امید ہے آئندہ بھی حکیم صاحب موصوف "بزم دستگیر" میں شرکت فرما کر شکر گزاری کا موقعہ دینگے۔

(ادارہ)

جسم کی تعمیر و پرورش اور صحت کی بقا وحفاظت کے واسطے وہ غذا کارآمد اور مفید ہوتی ہے جس میں پروٹینز (اجزائے لحمیہ) فیٹس (اجزائے شحمیہ) کاربوہائیڈریٹس (اجزائے نشاستائیہ) سالٹ (نمک) واٹر (پانی) اور وٹامنز (حیاتین) وغیرہ پائے جائیں۔ چونکہ یہ تمام اجزاء سبز ترکاریوں میں ضرور موجود ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض سبزیوں میں ان کے علاوہ چونہ، فولاد اور فاسفورس وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ اسی لئے صحت کی حفاظت کی غرض سے سبزیوں کا استعمال نہ صرف مفید ہے بلکہ بہت ضروری ہے اور اسی وجہ سے سبزیوں کو غذائے محافظ کہا جاتا ہے۔ سبزیوں کے نمکیات سے خون معتدل اور صاف رہتا ہے۔ وموسمی جلدی امراض پیدا نہیں ہوتے ہیں اور سبزیاں دافع قبض بھی ہیں۔

سبزیوں کا پکانا

ہندوستان میں عام طور پر سبز ترکاریاں بکثرت کھائی جاتی ہیں مگر اُن کے پکانے میں احتیاط کو کام میں نہیں لایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اُن کے مطلوبہ فائدے بدن کو حاصل نہیں ہوتے۔ بالعموم سبز ترکاریوں کو پانی میں زیادہ جوش دیکر پکاتے ہیں۔ اس طریقے سے ان کے مفید اجزا جل جاتے ہیں۔ پس سبزیوں کے پکانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اُن کو اتنے پانی میں جوش دیں جو اسی میں جذب ہو جائے اور سبزیوں میں سوڈا بھی نہ ڈالنا چاہیئے اس سے وٹامن سی فنا ہو جاتی ہے۔ ہندوستان کی صحت پرور سبزیوں میں ٹماٹر، گاجر، شلجم، آلو، گوبھی، پالک، کدو، مٹر، مولی وغیرہ بہترین ہیں۔ ان میں سے بعض سبزیوں کے خاص فائدے درج کئے جاتے ہیں۔

ٹماٹر

سبز ترکاریوں میں ٹماٹر سب سے زیادہ مفید و صحت پرور ترکاری ہے۔ صحت کی بقا اور جسم کی تعمیر میں یہ بہت بڑا حصہ دار ہے۔ اس میں وٹامن اے، بی، سی بہت زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں اور معدنی نمکیات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کا رس بچوں کی پرورش و افزائش اور دانتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ عورتوں میں اس کے کھانے سے دودھ کی پیدائش بخوبی ہوتی ہے۔ اور شیر خوار بچوں کو ایسی ماؤں کا دودھ طاقتور و تندرست رکھتا ہے۔ ٹماٹر کا استعمال مرض کے مقابلہ کرنے کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور بدن کو فربہ و توانا بناتا ہے۔ ٹماٹر کچا کھانا بھی مفید ہے۔ مغربی ملکوں میں ٹماٹر کا رس بطور ناشتہ بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ اس میں ترشی بھی ہوتی ہے اس لئے کھانسی، نزلہ زکام وغیرہ کی حالت میں اس سے پرہیز رکھنا چاہیئے۔

گاجر

ہندوستان کی مشہور سبزی ہے۔ اطبائے قدیم نے اِس کو مقوی معدہ و قلب، فرحت بخش اور قبض کشا بتایا ہے۔ بواسیر کے لئے مفید اور مصفّی خون لکھا ہے جدید تحقیق سے اِس میں وٹامن اے، بی، سی اور فولاد، چُونہ، فاسفورس اور نشاستہ وشکر وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ اِس لئے جسم کی تعمیر و پرورش اور قیام صحت کے لئے یہ مفید ترین ترکاری ہے۔ اس میں ایک خاص جز ہوتا ہے جو مرض "شب کوری" (رتوندہ) کا مانع ہے۔ اور بینائی کی حفاظت کرتا ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ روزانہ چونہ کے جس قدر اجزا جسم سے خارج ہوتے ہیں اُن کا بدل ایسی غذا سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں گاجر شامل ہو۔

طریقہ استعمال کھانے کے واسطے ترو تازہ، نرم و نازک چھوٹی اور گہرے رنگ کی گاجریں اچھی ہوتی ہیں۔ ان کو نرم آنچ پر اتنے پانی میں پکانا چاہیئے کہ پکتے پکتے پانی ان میں جذب ہو جائے۔ کیونکہ تیز آنچ پر وٹامن سی ضائع ہو جاتی ہے بلکہ وٹامن کا فائدہ اُٹھانے کے واسطے ان کو کچّی کھانا مفید ہے۔ اور مسوڑھوں اور دانتوں کی حفاظت کی غرض سے ان کا چوسنا مفید ہے۔

شلجم

یہ بھی نہایت مرغوب و مفید سبزی ہے۔ زود ہضم اور قبض کشا ہے۔ اس سے عمدہ خون کی پیدائش ہوتی ہے۔ چونکہ اس میں وٹامن اے، بی، سی کافی مقدار میں ہوتی ہیں۔ اس لئے اِس سے جسم کی پرورش بخوبی ہوتی ہے۔ اس کو بھی نرم آنچ پر کم پانی ڈال کر پکانا چاہیئے۔ تاکہ اس کے صحت پرور اجزا ضائع نہ ہوں۔ اور پکا کر پانی نہ پھینکنا چاہیئے۔ بلکہ اسی قدر پانی ہو جو اس میں جذب ہو جائے۔

پالک

ہندوستان میں عام طور پر یہ سبزی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ زود ہضم اور قبض کشا ترکاری ہے۔ ماہرین نے تحقیق کیا ہے کہ پالک میں فولاد اور چونے کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ فولاد خون بڑھاتا ہے اور جگر کو تقویت دیتا ہے۔ چونہ ہڈیوں کی ساخت کو مضبوط اور پائیدار بناتا ہے۔ پالک کے پتوں میں جس قدر فولاد کی مقدار ہے اس کا نصف حصہ اور چونے کی مقدار کا تہائی حصہ جسم انسانی میں جذب ہو جاتا ہے۔ غرضکہ پالک بھی ایک مقوی غذا ہے۔ اور بعض امراض کے دفعیہ کے واسطے مفید ہے۔

آلو

ہندوستانیوں کی ترکاریوں میں آلو سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تقریباً تمام سال کھایا جاتا ہے۔ اس میں اجزائے نشاستہ زیادہ اور اجزائے لحمیہ کم ہوتے ہیں۔ اور وٹامن اے، بی، سی کی کافی مقدار ہوتی ہے۔ اس لئے جو لوگ آلو زیادہ کھاتے ہیں وہ بلاجرا اور بیری بیری بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس سے دانتوں کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ یہ لذیذ اور پرورش کنندۂ جسم ہے۔ سوء ہضم کبدی میں مفید ہے۔ اگر اس کو چھلکے سمیت پکا کر کھائیں تو قبض کشا ہے۔ مگر کمزور معدہ کے اشخاص کو اس کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہیئے۔

گوبھی

یہ بھی ایک ایسی سبزی ہے کہ جس میں تمام قسم کی ضروری وٹامنز موجود ہیں۔ گوبھی لثہ دامیہ (سکروی) کی بہترین محافظ ہے۔ اور ہڈیوں کے بنانے اور مضبوطی دینے کی خاصیت بھی اس میں ہے۔ اس کو اُبال کر پانی نہ پھینکنا چاہیئے۔ کیونکہ جوش دینے سے اسکے اجزائے غذائیت بخش ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کم پانی میں پکانی چاہیئے۔ اور وہ پانی اسی میں جذب کر دینا چاہیئے۔ مگر بیماری سے اُٹھے ہوئے کمزور مریضوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ثقیل ہوتی ہے۔

چُقندر

یہ شلجم کی قسم سے ہے۔ اور شہری لوگ اس کو بالعموم کھاتے ہیں۔ اس میں شکر اور وٹامن بی، سی ہوتی ہے۔ اُس کو بھی جوش دینے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔

مٹر

زود ہضم اور مقوی سبزی ہے۔ اس میں گندھک اور فاسفورس ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اعصاب و عضلات کے واسطے مفید ہے۔

حکمائے ہند کے پوشیدہ راز

(خورشید الحکما حکیم پنڈت ترلوک ناتھ صاحب اعظم)

زیب عنوان مضمون اُن پوشیدہ معلومات کا خزانہ ہے جن کو رازہائے سربستہ سے تعبیر کیا جاتا ہے بہت ہی کم ایسے طبیب ہونگے جو ان رموز سے واقف ہیں۔ استادانِ فن نے ہمیشہ ان کو سینہ بسینہ خاص خاص شاگردوں تک ہی محدود رکھا۔ مگر قارئین "دستگیر" کیلئے ہرماہ کچھ نہ کچھ پیش خدمت ہوتا رہے گا۔ تاکہ اُن کی معلومات میں مفید اضافہ ہو سکے۔ (اعظم جلال آبادی)

زہریلے اور فساد شدہ مضر صحت طعام کی پہچان

جب کوئی کھانے کی چیز باسی ہوکر یا خراب قسم کے برتنوں میں کچھ عرصہ پڑے رہنے کی وجہ سے یا کسی اور نامعلوم طور پر پیدا شدہ اسباب سے ناقابل استعمال ہوجاتے ہیں۔ اُن کی پہچان کے چند نشانات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اگر ان علامات سے کوئی بھی علامت نظر آئے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ چیز قابل استعمال نہیں رہی۔

(۱) خراب اور زہریلے چاول گاڑھے سے لئی کی طرح ہونے (؟) ۔ مانڈ اُن میں سے کم نکلتا ہے۔ جنگلی کبوتر کی گردن کی طرح نیلوں سا رنگ ہوتا ہے۔

(۲) دال و دیگر شوربہ دار سبزی ترکاریوں میں اگر جھاگ اٹھ آئے رنگ برنگ کی دھاریاں سی دکھائی دینے لگیں۔ بُلبلے سے اٹھتے معلوم دیں۔ تو اُسے خراب سمجھو۔

خراب اور مضر صحت ساگ اور گوشت وغیرہ بے ذائقہ اور ریشے دار ہوجاتے ہیں۔ زہریلے گوشت کے شوربہ میں نیلی دھاریاں سی دکھائی دیتی ہیں۔ زہریلے دودھ میں تانبے کے رنگ کے ریشے سے نظر آتے ہیں۔ سیاہی مائل دھاریوں والا دہی بھی خراب ہوتا ہے۔

خراب قسم کی چھاچھ زردی مائل ہوتی ہے یا زرد دھاریاں پڑجاتی ہیں۔ زہریلے گھی میں بے رنگ دھاریاں ہوجاتی ہیں۔ شراب اور پانی میں سیاہی مائل دھاریاں اسکی خرابی کی دلیل ہیں۔

خراب شہد سبز رنگ کے ریشے پیدا کردیتا ہے۔ اور زہریلا تیل سرخی مائل ہوتا ہے۔ گلے سڑے پھل بھی زہریلے ہی ہوتے ہیں۔

پھولوں کے اگر اگلے سرے پھٹے ہوئے ہوں تو وہ سونگھنے کے قابل نہیں رہے۔

زہر خوردہ مریض کی علامات

رنگ سیاہ۔ منہ خشک۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں۔ متحیر پسینے میں شرابور۔ بدن میں رعشہ۔ پیاس کی زیادتی۔ خوف ہراس جمائیوں کا آنا وغیرہ۔

زہریلے اناج کی پہچان

زہریلے اناج کو آگ پہ ڈال کر دیکھو۔ اگر مندرجہ ذیل علامات پیدا ہوں تو سمجھو کہ زہریلا ہے:۔

اگر چڑ چڑ کی آواز آئے۔ شعلہ باریک پیدا کرے۔ دھوئیں میں مور کے پروں کے رنگ کی شعاعیں دکھائی دیں۔ گوشت کی سی بُو۔ دھوئیں سے سر میں درد پیدا ہو۔ نگاہوں میں بے قراری ہو۔

زہریلے کھانے کی پہچان

جس کھانے کو کھاکر مکھی مرجائے۔ کوا اگر کھائے تو اسکی آواز بیٹھ جائے۔ طوطا مینا جسے دیکھکر بولنا شروع کردیں۔ بندر کھائے تو

اس کا پاخانہ نکل جائے۔ مور ایسے کھانے کو دیکھکر بہت خوش ہوتے ہیں۔

زہریلے کھانے کی خوردنی پہچان

زہریلا یا خراب کھانا منہ میں ڈالنے سے لعاب دہن کثرت سے ٹپکنے لگے۔ ہونٹ سن سے ہوجائیں۔ منہ میں جلن۔ قوت ذائقہ کمزور ہو جائے۔

متضاد خوراکیں جن کے باہم مخلوط ہونے سے خراب صحت اثر ہوتا ہے

گوشت۔ اُڑد۔ شہد۔ اُگا ہوا اناج۔ مولی اور گڑ۔

مچھلی کا گوشت بھی دودھ کے ساتھ نہ کھائیے۔

دودھ اور کھٹے پھل۔

کنگنی۔ مٹر۔ تِل اور موٹھ ان کے ساتھ دودھ نہ پینا چاہیے

سبز مولی کھانے کے بعد دودھ ہرگز نہ پیجیے۔ مرغ کے گوشت کو دہی کے ساتھ نہ کھائیں۔

مولی کو اُڑد کی دال کے ساتھ کھانا مضر ہے۔

اُڑد کی دال، گڑ، دودھ اور دہی اور گھی کے ساتھ بڑھل کا پھل نہ کھائیں۔

چاول جس روز کھائیں اس روز تربوز کھانا مضر صحت ہے۔

چھاچھ اور دہی کے ساتھ کیلے کی پھلی نہ کھائیں۔

پیپل۔ مرچ۔ شہد اور گڑ کے ساتھ کو کا استعمال ازحد مفید ہے۔

مچھلی تلے ہوئے تیل میں کوئی چیز پکا کر نہ کھائیں۔ کانسی کے برتن میں پڑا ہوا گھی بھی ناقابل استعمال ہی سمجھنا چاہیئے۔

شراب۔ دودھ اور کھچڑی بیک وقت ان کا استعمال بھی ممنوع ہے۔

شہد، گھی، (اچر) اور تیل اور پانی ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے کے ساتھ برابر وزن میں ملا کر استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

چھاچھ اور سرسوں کے تیل میں بھنا ہوا ساگ مضر ہے۔

شب بیداری خشکی کا باعث ہوتی ہے اور دن کا سونا بلغم پیدا پیدا کرتا ہے۔ کھانا کھاتے وقت تنہائی اور یکسوئی قلب نہایت ضروری ہے اور عمر طویل و تندرستی کا باعث ہے۔ دوبارہ گرم کیا ہوا کھانا بھی مضر صحت ہے۔ (باقی آئندہ)

غزل

(از جناب ڈاکٹر رندھیر صاحب نئی دلی)

سخندانوں میں حال کس کو ہے طرزِ بیاں میرا
فقط روح القدس ہے جو ہے باقی ہمزباں میرا

زمانہ شوق سے ہستی مری برباد کرڈالے
مگر قائم رہے گا اس پہ نقشِ جاوداں میرا

تخیل ہی بنا لیتا ہوں چپو کشتیٔ دل کا
محیطِ دہر میں ہوتا ہے جب بھی امتحاں میرا

کہیں صیاد کے رستے میں یہ حائل نہ ہوجائے
کھبا جاتا ہے نظروں میں جمالِ آشیاں میرا

لگا دیگی مری اوچھی نظر بھی آگ پانی میں
اگر شعلہ شمائل ہوگیا سوزِ نہاں میرا

مسرت عنصرِ غم سے نہیں خالی اگر میری
تو طغیانِ محن میں کیوں نہ ہو دل شادماں میرا

عجب اُلجھن میں ڈالا ہے ہمیں ذوقِ محبت نے
کبھی ہے امتحاں تیرا کبھی ہے امتحاں میرا

نہیں محدود رہتا جذبۂ دل دل کی وسعت تک
پلٹ دیگا زمانہ کو یہ عزمِ نوجواں میرا

مجھے رندھیر کوئی غیب سے مجبور کرتا ہے
دگرنہ رات دن رہتا نہ خامہ خونچکاں میرا

اداکاریاں

از
ہری کرشن نول بی، اے

بیرم خاں

اداکار:۔ جاگیردار۔ مہتاب۔ ڈیوڈ۔ ہنسا۔ غلام محمد۔
للتا پاور۔ یوسف آفندی۔ شنلینی وغیرہ
کہانی :۔ حکیم احمد شجاع
موسیقی :۔ غلام حیدر
ڈائرکشن :۔ جاگیردار

سٹینڈرڈ پکچرز کے حاویوالا آج کل اس تواریخی تصویر کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور قوی امید رکھتے ہیں کہ ان کی یہ فلم سالِ رواں کی بہترین فلم ہوگی۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ "بیرم خاں" کی کہانی نہایت دلچسپ اور مستند ہے۔ اور موسیقی سحر انگیز و آلی الآن۔ مگر کاسٹ کے انتخاب میں فیاضی سے کام نہیں لیا گیا۔ پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ جاگیردار اس فلم میں ضرور کوئی نئی جدت پیش کریں گے۔

"رام شاستری" کو دیکھکر یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ جاگیردار نفسیات کے ماہر ہیں اور تحلیل نفسی کے علم میں شانتا رام سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ "بیرم خاں" میں نفسیات کے لئے بہت میدان ہے۔ مگر ہم جاگیردار کو مشورہ دینگے کہ وہ اس بحر بیکراں میں زیادہ غوطہ زن نہ ہوں کیونکہ عام پبلک لطیف چیزوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی۔ اگر جاگیردار لڑائی کے مناظر اور مکالموں پر زیادہ وقت صرف کریں اور اُن کی ترتیب میں سمجھ بوجھ سے کام لیں تو یہ فلم یقیناً "سلور جوبلی" فلم ہوگی۔

نل دمینتی

اداکار :۔ پرتھوی راج۔ شوبھنا سمرتھ۔ ترلوک۔ ڈیوڈ۔ نمبالکر
مِعرا وغیرہ
کہانی :۔ کے، ایس۔ تھکیرے
مکالمے :۔ پنڈت فانی
موسیقی :۔ رام پال چندر
ڈائرکشن :۔ کمار سین سمرتھ

معلوم ہوتا ہے شوبھنا سمرتھ کی پریم ادیب سے کہان بن ہوگئی ہے چلئے اس طرح ہندستانی فلم انڈسٹری کی ایک بیہودگی تو جاتی رہی۔ ایک ہی ہیرو اور ایک ہی ہیروئن کو بار بار سکرین پر دیکھکر سامعین بیزار ہوجاتے ہیں اور ان کا شوق کم ہوجاتا ہے۔ بدلتی فلم سازی کے ہر شعبہ میں آپ ہر مرتبہ "ادلا بدلی" پائیں گے۔ اور یہ اصول ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ ہندستان میں "ادلا بدلی" کی تمہید کا سہرا وی۔ شانتا رام کے سر ہے۔ دیوکی بوس۔ بروا اور پرنسپل اتریے بھی اس اصول پر سختگی سے پابند رہے ہیں۔ مگر کچھ عرصہ سے "ادلا بدلی" کا قحط نظر آرہا ہے معلوم ضرورت ہے کہ ہندستان کے فلم ساز اس طرف متوجہ ہوں۔

"نل دمینتی" ایک اہم تاریخی واقعہ ہے جس میں بخت کی نیرنگیاں دکھائی گئی ہیں اور ساتھ ہی بہترین اخلاق، بُردباری اور رومان کی مثال پیش کی گئی ہے۔ اس "ابتری کے دور" میں اِس قسم کے اصلاحی فلم کی سخت احتیاج تھی۔

فنی نقطۂ نگاہ سے ہم کمار سین سمرتھ کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس پاکیزہ فلم کو پرتھوی راج اور ترلوک کے اوور ایکٹنگ سے مستثنیٰ رکھیں یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ڈائرکٹر لوگ کامیاب اور مشہور اداکاروں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس آزادی کا جو نتیجہ رہتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

شوبھنا سمرتھ کو اکثر کیمرہ کا احساس رہتا ہے۔ اس سے کیریکٹر کے جبلی اوصاف ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور فلم کی دلکشی بھی جاتی رہتی ہے کمار سین سمرتھ اس بات کا خیال رکھیں۔

تقرار

اداکار:۔ جمنا۔ نواب۔ افتخار۔ مولینا۔ رنجیت رائے۔
دیو بالا۔ تلسی چکرورتی۔ راج لکشمی۔ فانی رائے۔
اردنا۔ اندو مکرجی وغیرہ۔

موسیقی :- ساچن داس
ڈائرکشن :- ہمین گپتا

اس پیش کش میں بنگال فلم انڈسٹری کو بحال و تجدید کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک عرصہ سے یہاں کی فلم انڈسٹری کھٹائی میں پڑی ہوئی تھی۔ نیو تھیٹرز بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ بروا۔ دیو کی بوس و دیگر شہرۂ آفاق ڈائرکٹروں کی بہترین فلمیں فیل ہونے لگیں۔ کیونکہ ملک کی دیگر فلم کمپنیاں مذہبی و تواریخی واقعات و شخصیات کو فلمانے میں مصروف ہیں۔ لیکن وقت ایک سا نہیں رہتا۔ لوگ روز روز اس قسم کی تصویروں سے اُکتا سے گئے ہیں۔ اور اب ایک اعلیٰ سوشل فلم کی نمائش کا وقت آگیا ہے۔ ہمین گپتا نے اس وقت کا صحیح طور پر فائدہ اٹھایا ہے پبلک کے برمحل احساسات کا پتہ لگانا اور مطابقت کی چیز کا پیش کرنا اعلیٰ ذہنیت کا ثبوت ہے۔

آج کل فلم کار موسیقی پر زیادہ وقت اور سرمایہ صرف کر رہے ہیں۔ کیا فلم سازی کا مقصد محض "تفریح" اور "وقت کٹی" ہی ہے؟ "مگوری" جیسی شاندار اصلاحی فلم ناکامیاب کیوں رہی؟ اس لئے کہ اس فلم میں موسیقی برائے نام ہی تھی۔ اگر موسیقی کو ہی دلفریب کرنا مقصود ہے تو موسیقی کا معیار بلند کرنا چاہیئے۔ "رام شاستری" اور "مالی" وغیرہ کی موسیقی فلم کاروں کے لئے ایک مثال ہے۔

ساچن داس نہ صرف بنگال بلکہ ہندوستان کے صفِ اوّل کے موسیقاروں میں سے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ تقرار کی موسیقی کی بدولت خوب نام پائیں گے۔

ویرکنال

اداکار :- درگا کھوٹے۔ کشور ساہو۔ مبارک۔ نیلا ناگنی۔ شاکر۔ کانتا کماری اور شوبھنا سمرتھ

ڈائرکٹر :- کشور ساہو

کشور ساہو کسی سے پیچھے کیوں رہیں۔ آپ بھی ویرکنال کی ہیجان خیز تواریخی فلم بنانے میں مصروف ہیں۔ کاسٹ کے انتخاب سے کشور کی کاوش جھلکتی ہے۔ کیونکہ درگا کھوٹے شوبھنا سمرتھ اور مبارک کو اس قسم کی فلموں میں اپنے اپنے رول نہایت خوش اسلوبی سے نبھا چکے ہیں۔

اُمید ہے کہ گذشتہ تصویروں کی نسبت کشور کی یہ فلم زیادہ کامیاب رہے گی۔

زینت

اداکار :- نورجہاں۔ ببّو۔ منجولہ۔ لیلا مصرا۔ جلو بائی۔ کرن دیوان۔ یعقوب۔ ڈکجنٹ، مجید، ہمالیہ والا۔ نظیر کاشمیری۔ کے، ایس سانکر۔ شاہ نواز۔ سلیم رضا وغیرہ۔

کہانی و مکالمے :- وجاہت مرزا
گانے :- ماہرالقادری اور انجم
موسیقی :- میر صاحب اور حافظ خان
ڈائرکشن :- شوکت حسین۔

شوکت حسین کا "دوست" دہلی کے مجسٹک سینما میں کئی مہینوں سے خواہ مخواہ چل رہا ہے۔ اور اس کے ڈسٹری بیوٹرز نے ٹھان لی ہے کہ "دوست" کی "سلور جوبلی" منائی جائے۔ پروپاگنڈا کرنے کا یہ طریقہ بھی خوب ہے۔

"زینت" کی کہانی اور مکالمے نہایت دلچسپ ہیں۔ یعقوب اور شاہ نواز کا کام اچھا اور کرن دیوان اور نورجہاں کی اداکاری خاصی ہے۔ اور کوئی خاص معرکہ کی بات نہیں۔

خریداروں کی خدمت میں
التماس

"دستگیر" ہرماہ کی دس تاریخ تک خریداروں کو مل جاتا ہے پندرہ تاریخ تک رسالہ نہ ملنے کی صورت میں دفتر کو اطلاع دیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے۔ چونکہ خریدار صاحبان کے نام و پتے تین چار بار رجسٹروں سے مقابلہ کرنے کے بعد "دستگیر" سپرد ڈاک کیا جاتا ہے اس لئے رسالہ نہ ملنے کی صورت میں خریداروں کو مقامی پوسٹ آفس سے بازپرس کرنی چاہیئے۔ خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ تاکہ تعمیل میں تاخیر نہ ہو۔

نئے پتے سے ہمیشہ اطلاع دیتے رہیئے

ہر قسم کی خط و کتابت و ترسیل زر بنام منیجر آنی چاہیئے۔

خورشید الحکماء حکیم پنڈت ترلوک ناتھ صاحب اعظم

کے متعلق

آسام کی مقتدر ہستیوں کی رائے

چھاپ
وزیر اعظم آسام

شیلانگ
مورخہ ۴ ر فروری ۱۹۴۵ء

دہلی کے حکیم وئید پنڈت ترلوک ناتھ اعظم جب شیلانگ تشریف لائے تو آپ نے میرا طبی معائنہ کیا۔ اور میں ذیابیطس کے علاج کے لئے آپ کی طرف رجوع ہوکر تا حال آپ کے زیر علاج ہوں۔

حکیم صاحب عالم فاضل اور مہذب شخصیت کے مالک ہیں۔ اور علم طب پر آپ کو پورے طور پر عبور حاصل ہے۔ آپ اپنے مریضوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ یونانی اور آیورویدک طریقۂ علاج کیلئے میں آپ کی پر زور سفارش کرتا ہوں۔

دستخط بزبان انگریزی
(آنریبل سر) سید محمد سعد اللہ
وزیر اعظم آسام گورنمنٹ

شیلانگ
مورخہ ۴ ر فروری ۱۹۴۵ء

پرائیویٹ سکریٹری وزیر اعظم آسام

مجھے یہ لکھتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے کہ مجھے حال ہی میں دلی کے خورشید الحکماء حکیم پنڈت ترلوک ناتھ صاحب اعظم کو اچھی طرح جاننے کا موقع ملا۔ یہاں اپنے قلیل قیام کے دوران میں آپ نے اپنی دل و دماغ کی اعلےٰ صفات سے، جو خداوند کریم نے آپ کو نہایت فراخدلی سے بخشی ہیں، ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ آپ کے طبی مشورہ و علاج کی اس قدر مانگ تھی کہ آپ اسے بمشکل پورا کرسکتے تھے۔ اس کامیابی کا راز یہ تھا کہ آپ نے اپنی شہرت بطور طبیب ماہر علاج یونانی اور آیورویدک کو بجا طور پر قائم رکھا ہوا ہے۔

آپ کے ادبی جوہر، جو اُردو ماہنامہ "دستگیر" کے کالموں سے جھلکتے رہتے ہیں، اعلےٰ پائے کے ہوتے ہیں۔

آسام میں یہ آپ کی پہلی آمد ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ آخری نہ ہوگی۔

(دستخط بزبان انگریزی) عطاء الرحمن۔ خان بہادر۔۔۔ پرائیویٹ سکریٹری آنریبل وزیر اعظم آسام

آسام گورنمنٹ کی چھاپ

دفتر ڈائریکٹر آف پبلک ہیلتھ آسام
شیلانگ۔ مورخہ ۵ ر فروری ۱۹۴۵ء

دِلی کے حکیم ترلوک ناتھ صاحب اعظم کو یہ تعارفی خط دیتے ہوئے مجھے ایک گونہ مسرت محسوس ہوتی ہے۔ حکیم صاحب نہایت معزز اور برگزیدہ شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ نہ صرف آیورویدک اور یونانی کے ہی کہنہ مشق اور نامور طبیب ہیں بلکہ اُردو اور ہندی ادب میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے۔ آپ دو زبان کے مشہور و معروف شاعر ہیں۔

حکیم صاحب کامیابی سے میری بیوی کا علاج کرتے رہے ہیں اور محترمہ اب بھی آپ ہی کے زیر علاج ہے۔

آپ دیسی علم طب کے بہت اونچے پایہ کے طبیب ہیں۔ ان تمام ضرورتمند اصحاب کو جو ایک تجربہ کار یونانی و آیورویدک طبیب کی تلاش میں ہیں۔ میں آپ کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیتا ہوں۔ پنڈت جی دیسی علم طب طریق علاج کو کمال رکھنے اور تجدید کرنے میں سرگرمی سے کوشاں ہیں اور میں آپ کی کامیابی کیلئے دعا کرتا ہوں۔

دستخط بزبان انگریزی ٹی، ڈی احمد میجر آئی۔ ایم۔ ایس۔ ڈائریکٹر آف پبلک ہیلتھ۔ آسام

ایک نئی حیرت انگیز ایجاد

موجودہ زمانے کے پُرآشوب حالت کے زیر اثر جو کمزوریاں آج کے انسان میں لاحق ہو چکی ہیں۔ اس حیرت انگیز دوا کے استعمال سے ہمیشہ کے لئے رفع ہو جاتی ہیں

بلاشبہ دہلی کے طبیب اعظم خورشید الحکماء حکیم پنڈت ترلوک ناتھ صاحب اعظم جو کہ ہندوستان کے متعدد والیان ریاست کے معالج خاص و طبی مشیر ہیں، نے اس دوا

کاگاٹانک (رجسٹرڈ)

کو ایجاد کر کے دنیائے طب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس دوا کے باقاعدہ استعمال سے ان تمام پیچیدہ اور کہنہ امراض سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جاتی ہے جنکے متعلق لاعلاج ہونیکا فتویٰ دیا جا چکا ہے۔ جن سخت تکلیف دہ اور پریشان کن امراض میں یہ دوا کاگاٹانک استعمال کی جاتی ہے انکی مختصر فہرست حسب ذیل ہے۔ بلاشبہ ان امراض میں مبتلا دوستوں اور رشتہ داروں کو ایک مرتبہ کاگاٹانک کے استعمال کی ضرور سفارش کیجئے۔ باقی حالات پرچہ ترکیب استعمال میں ملاحظہ فرمائیے جو کہ دوا کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے۔

مختصر فہرست امراض جن میں "کاگاٹانک" خاص طور پر مفید ہے

جذام (کوڑھ)، برص (پھلبہری) جسم اور چہرہ کی سیاہی مائل رنگت (مادہ سوداوی) پرانے داد، چمبل، اگزیما، امراض خبیث، امراض تلی و جگر و معدہ و امعاء۔ امراض متعلق کمی خون۔ موٹاپے کی وجہ سے جسم کا بیڈول ہونا۔ چربی کی زیادتی۔ فیل پا۔ سرطان (کینسر)، رسولی۔ پرانی گٹھیا۔ فالج۔ لقوہ۔ کنٹھ مالا (بجریں)، اونچا سنائی دینا۔ بول شکری۔ خون کی خرابی۔ پھوڑے پھنسیاں وغیرہ۔ تپ دق۔ پرانی کھانسی۔ پرانا نزلہ۔ پرانا زکام۔ دمہ۔ پیٹ میں درد کے ساتھ ہونیوالے شدت کے درد۔ گونگاپن۔ لکنت۔ مرگی۔ ہسٹریا۔ پاگل پن۔ نسیان وغیرہ۔ جسم کے کسی حصہ کا سوکھ جانا وغیرہ۔ غرضیکہ تمام امراض جو پرانے ہو چکے ہوں اُن کیلئے شافی علاج قرار پا چکی ہے۔ نئے امراض میں چنداں مفید نہیں۔ ہر کہنہ امراض میں اپنے دوست رشتہ دار مایوس مریضوں کو "کاگاٹانک" کے استعمال کا مشورہ دیجئے!!

جنرل ٹانک کے طور پر ہر عمر ہر موسم میں تندرست انسان اسے استعمال کر کے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے بلا امتیاز عمر و موسم ہر انسان کو سال بھر میں کم از کم ایک مرتبہ اسے ضرور استعمال کر لینا چاہیئے۔ تاکہ بعض امراض کے جسم میں پوشیدہ رہنے والے خبیث مادے و جراثیم کو جسم میں سے خارج کر کے زائل شدہ طاقت کو از سر نو حاصل کر لیا جائے۔

قیمت فی شیشی چھ روپے (علاوہ محصول)

ملنے کا پتہ:- منیجر اندر سین دواخانہ یونانی۔ دریبہ کلاں دہلی

"دستگیر" پبلسٹی بیورو کی مفیدِ عام کتابیں

کاشف القلب

قیمت دو روپے چار آنے

بادۂ سرجوش

رئیس الفصاحت حضرت جوش ملسیانی
کا مجموعۂ کلام جس نے دنیائے شاعری میں
انقلاب پیدا کر دیا ہے
قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

بربطِ اعظم

مصنفہ اعظم جلال آبادی
اردو نظم میں ترقی پسند و نصائح کا خزانہ
قیمت ۱۲ آنے [illegible]

آتما اور پرماتما کے سمبندھ میں

روحانیت کو درجہ کمال پر پہنچانیوالی مفید ترین کتاب

من کی کنجی

(ہندی)

جو کہ عالم کامل
مہاتما شہنشاہ جی
پیرائے میں بیان کردہ
ایک دفعہ پڑھنا
شروع کر دیجئے
بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

بال برہمچاری
مہاراج کے دلچسپ
انمول موتی ہیں

قیمت
دو روپے

آتم رتن بھجناولی

(اردو)

شری شہنشاہ جی
مہاراج کے روحانی بھجنوں
کا مجموعہ
قیمت ۸/

آتم رتن بھجناولی

(ہندی)

شری شہنشاہ جی
مہاراج کے روحانی بھجنوں
کا مجموعہ
قیمت ۸/

نانک

مصنفہ [illegible]
کی زندگی پر [illegible] اردو زبان میں [illegible]
اچھی کتاب شائع نہیں ہوئی [illegible]
[illegible]
قیمت [illegible]

گیتا و دل — نسیمِ عرفان

[illegible] لکھنوی کے چیدہ کلام
[illegible] کا اردو ترجمہ اردو زبان [illegible]
[illegible] اردو اشعار
[illegible] ترجمہ نہیں ہو سکا۔
[illegible]

ڈرامہ
سماج کی بھینٹ

مصنفہ اعظم جلال آبادی۔ اچھوتا افسانہ ڈرامہ کی صورت میں قیمت ۸/

"دستگیر" پبلسٹی بیورو۔ دریبہ کلاں دہلی



After a complete stay of two months in Shillong
Khurshid-ul-Hukama Pt Tirlok Nath Azam returns to Delhi



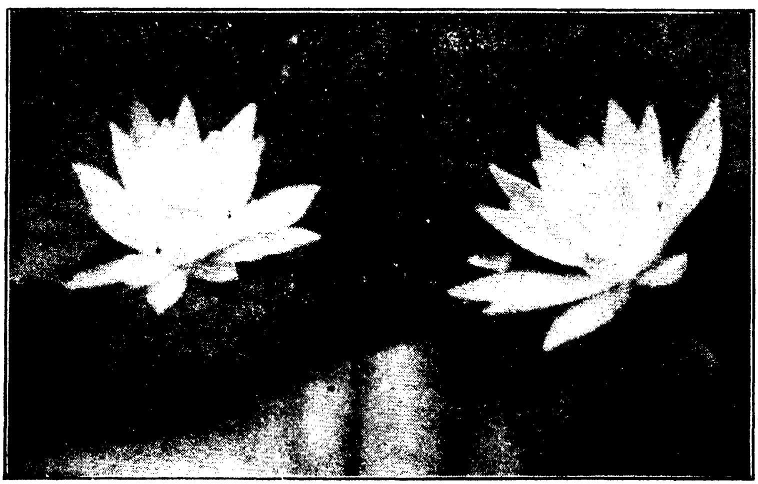
" How natural "

THE DASTGIR MONTHLY, DEL

ماہنامہ دستگیر دہلی

-5-

VOL. 7 JANUARY 1945 NO. 1



NEW YEARS' GREETINGS

EDITOR :— Azam Jalalab

OFFICE :— DARIBA, DEL



IN SHILLONG
Khurshid ul Hukama Hakim Tilak Nath Azam



Where is the rest of family sweet ?

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۰۹ ۷

اجرت اشتہارات	
پورا صفحہ	۵۰ روپے
نصف صفحہ	۲۵ روپے
چوتھائی صفحہ	۱۵ روپے

چندہ سالانہ: تین روپے بارہ آنے
قیمت فی کاپی:- پانچ آنے
چندہ سالانہ ممالک غیر سے ۷ شلنگ
والیان ریاست سے: حسب حیثیت

ماہنامہ
دستگیر
باتصویر
دہلی

اڈیٹر:- اعظم جلال آبادی

مدیران اعزازی:-
جناب صغیر احسنی جلال آبادی جناب قاضی محمد عبداللہ منتظر نئی دہلی مسٹر ہری کرشن [illegible]

جلد ۷	جنوری سنہ ۱۹۴۵ء	نمبر ۱

فہرست مضامین

(حکیم پنڈت ترلوک ناتھ اعظم پرنٹر و پبلشر نے ریال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر "دستگیر" مدینہ کلاں دہلی سے شائع کیا)

کیلنڈر سنہ ۱۹۴۵ء

قارئین کرام کو سال نو مبارک

	جنوری					فروری					مارچ					اپریل				
اتوار		۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
پیر	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	۰	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
منگل	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	۰	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۰
بدھ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰
جمعرات	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	۱	۸	۱۵	۲۲	۰	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰
جمعہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	۲	۹	۱۶	۲۳	۰	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰
ہفتہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰

	مئی					جون					جولائی					اگست				
اتوار		۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹		۵	۱۲	۱۹	۲۶
پیر	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰		۶	۱۳	۲۰	۲۷
منگل	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	۰	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱		۷	۱۴	۲۱	۲۸
بدھ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	۰	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعرات	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
جمعہ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
ہفتہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰

	ستمبر					اکتوبر					نومبر					دسمبر				
اتوار	۰	۲	۹	۱۶	۲۳/۳۰	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸		۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	۲	۹	۱۶	۲۳/۳۰
پیر	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹		۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴/۳۱
منگل	۰	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰		۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	۴	۱۱	۱۸	۲۵
بدھ	۰	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱		۷	۱۴	۲۱	۲۸	۰	۵	۱۲	۱۹	۲۶
جمعرات	۰	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۴	۱۱	۱۸	۲۵	۰	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	۰	۶	۱۳	۲۰	۲۷
جمعہ	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۵	۱۲	۱۹	۲۶	۰	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸
ہفتہ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	۶	۱۳	۲۰	۲۷	۰	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۰	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹

ریلوے ٹائم ٹیبل

پشاور - بمبئی (جی، آئی، پی، آر)

فرنٹیر میل	بمبئی ایکسپریس	اسٹیشن	فرنٹیر میل	بمبئی ایکسپریس
7.10	16.25	پشاور	22.30	12.35
12.31	22.25	راولپنڈی	1.31	6.40
20.30	7.40	لاہور	9.0	20.50
9.20	23.0	دہلی	20.15	6.40
12.41	2.42	آگرہ	16.55	2.29
1.16	16.3	اٹارسی	5.2	13.12
10.41	3.18	منماڈ	19.20	2.25
16.5	9.5	بمبئی	14.0	20.50

لاہور شملہ

شملہ میل	اسٹیشن	شملہ میل
21.10	لاہور	7.5
22.16	امرتسر	5.51
23.42	جالندھر	4.14
3.18	انبالہ	0.23
8.10	کالکا	22.25
10.21	دھرم پور	18.42
11.16	بڑوگ	17.58
11.36	سولن	17.28
14.55	شملہ	14.30

لاہور ہوڑہ

اپ میل	اسٹیشن	[illegible] میل
10	لاہور	14.55
19.42	امرتسر	13.42
21.20	جالندھر	11.28
0.52	انبالہ	7.49
2.35	سہارنپور	6.0
6.57	مرادآباد	1.1
13.55	لکھنؤ	19.3
19.46	بنارس	12.9
13.20	ہوڑہ	19.50

دہلی ہوڑہ

دہلی کالکا میل	اسٹیشن	دہلی کالکا میل
8.15	دہلی	22.30
10.58	علی گڑھ	19.4
7.39	کانپور	13.10
21.9	الہ آباد	9.23
0.6	مغل سرائے	6.24
10.8	آسن سول	21.1
12.45	بردوان	18.52
14.40	ہوڑہ	16.30

لاہور - ڈیرہ دون

ڈون ایکسپریس	اسٹیشن	ڈون ایکسپریس
21.35	لاہور	12.15
23.26	امرتسر	10.15
1.13	جالندھر	9.58
6.5	انبالہ	3.45
8.40	سہارنپور	0.40
12.59	ہردوار	20.30
5.15	دہرہ دون	18.20

لاہور - دہلی

33 پسنجر	کوچنک ایکسپریس	اسٹیشن	34 پسنجر	کوچنک ایکسپریس
5.57	17.50	لاہور	3.30	13.8
4.2	16.11	امرتسر	4.57	5.5
1.59	13.25	جالندھر	7.41	1.42
0.9	11.10	لدھیانہ	9.56	20.19
20.13	6.25	انبالہ	13.50	0.16
17.25	3.45	سہارنپور	16.55	3.46
13.22	22.54	میرٹھ	20.17	7.47
11.43	20.52	غازی آباد	21.33	9.31
11.5	20.0	دہلی	22.15	10.5

سٹیشن	روانگی	سٹیشن	آمد	گاڑی
ہوڑہ	21.0	لکھنؤ	23.14	26 ڈاؤن
لکھنؤ	14.30	ہوڑہ	13.15	5 اَپ
ہوڑہ	14.0	بنارس	14.48	13 اَپ
بنارس	12.40	ہوڑہ	14.25	14 ڈاؤن
ہوڑہ	15.40	دہلی	20.35	2 ڈاؤن
دہلی	8.15	ہوڑہ	14.5	5 اَپ
ہوڑہ	19.45	پٹنہ	6.26	2 ڈاؤن
پٹنہ	1.40	ہوڑہ	13.15	5 اَپ
ہوڑہ	20.0	الٰہ آباد	14.21	7 اَپ
الٰہ آباد	22.25	ہوڑہ	15.25	4 ڈاؤن
پٹنہ	6.38	دہلی	5.32	5 اور 7 اَپ
دہلی	8.15	پٹنہ	9.58	2 اور 26 ڈاؤن
ہردوار	23.5	لاہور	17.45	18 ڈاؤن 17 اپ
لاہور	9.15	ہردوار	5.47	16 • 33 ،،
لکھنؤ	16.55	دہلی	10.40	17 اور 34 اَپ
دہلی	18.9	لکھنؤ	9.15	33 اور 18 ڈاؤن
لکھنؤ	9.35	بمبئی	16.25	602 اَپ
بمبئی	14.0	لکھنؤ	19.52	601 ڈاؤن
کانپور	13.35	ڈیرہ دون	9.28	17 اَپ
ڈیرہ دون	12.40	کانپور	11.17	18 ڈاؤن

کراچی لاہور

سندھ ایکسپریس ↓	کراچی میل ↓	سٹیشن	سندھ ایکسپریس ↑	کراچی میل ↑
7.20	12.55	کراچی	21.10	11.10
11.53	19.53	کوٹری	16.35	7.37
12.29	20.24	حیدرآباد	16.15	6.59
13.26	21.22	ٹانڈو آدم	14.55	5.45
15.46	23.39	پدعیدان	12.45	3.35
18.4	1.48	روہڑی	10.18	1.19
22.50	6.24	خانپور	5.41	20.59
1.19	8.35	سماستہ	3.8	18.35
1.36	8.53	بہاولپور	2.38	18.6
2.15	9.25	لودھراں	2.18	17.45
3.48	10.57	ملتان	0.43	16.12
5.1	12.11	خانیوال	23.40	15.8
4.14	14.30	منٹگمری	21.25	12.51
9.47	16.48	رائے ونڈ	18.47	10.32
10.35	17.35	لاہور	17.55	9.35

شذرات

"دستگیر" اپنے قارئین کرام کو سالِ نو کی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ ہماری تمام امنگیں سال نو سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ ہمارے گذشتہ سال کی جدوجہد اسی سال بار آور ہوگی۔

ہمارے مدیر مسئول حضرت اعظم جلال آبادی بسلسلہ معالجہ آنریبل سر سید سعد اللہ دام اقبالہٗ وزیر اعظم آسام گذشتہ ماہ عازم شیلانگ ہوئے تھے۔ آپ ہنوز آنریبل موصوف کے علاج میں متوجہ ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنریبل موصوف کو صحت عاجل عطا فرمائے اور قبلہ حکیم صاحب کامراں و فرحاں مراجعت فرمائیں۔

شری شہنشاہ جی مہاراج چند روز کیلئے جناب مالک رام صاحب سبھروال رئیس اعظم نئی دہلی کے ہاں تشریف لائے تھے۔ آپ کے دوران قیام میں متعدد روحانی صحبتیں گرم رہیں اور لب تشنگانِ معرفت جامِ حقیقت سے سیراب ہوتے رہے۔ آپ مختصر قیام کے بعد اسنسول تشریف لے گئے۔ شہنشاہی سردہتکاری سنگ کا سالانہ جلسہ غالباً آئندہ اپریل راولپنڈی میں منعقد ہوگا۔

جیسا کہ گذشتہ نمبر میں عرض کیا جا چکا ہے "دستگیر" کو کاغذ کا کوٹہ نہ ملنے کی وجہ سے اسکی اشاعت کو چند ماہ کیلئے معرض التواء میں رکھنا پڑا۔ قارئین کرام کو ہماری یہ طویل خاموشی گراں بار خاطر ضرور محسوس ہوئی ہوگی لیکن یہ جمود کچھ ایسا تھا جسکے توڑنے کیلئے کوشش بسیار کے ساتھ ساتھ وقت کی بھی ضرورت تھی

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک

بہر حال ہماری سعی مشکور اور ہمارا استقلال بار آور ہوا یعنی گورنمنٹ نے دستگیر کیلئے کچھ کوٹہ مقرر کر دیا ہے جو ایک حد تک ہماری ضروریات کی کفالت کر سکے گا۔ کاغذ کا مسئلہ ایک حد تک طے ہو جانے کے بعد اب ہماری توجہ "دستگیر" کے معیار کو بلند کرنے کی جانب مبذول ہوگی۔ اور یہ کوشش کی جائیگی کہ "دستگیر" کے صفحات کو بلند پایہ اہل قلم اور مشاہیر شعرا کے رشحات قلم سے مزین کر کے اسے جرائد و مجلّہ کی صف اول میں لا کر کھڑا کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ہم نے ابھی سے اپنے قلمی معاونین کے ساتھ مراسلات کا سلسلہ جاری کر دیا ہے اور ہمیں قوی امید ہے کہ ہمارے محسنین خصوصاً حضرت قبلہ جوش ملیح آبادی۔ احسان دانش حفیظ جالندھری۔ حضرت نامی مینائی۔ جوش ملسیانی۔ عرش ملسیانی۔ آبر احسنی۔ منور لکھنوی۔ طالب دہلوی۔ راز احسنی۔ فراق گورکھپوری اور ظفر واسطی وغیرہم اپنے بلند پایہ مضامین نظم و نثر سے "دستگیر" کی دستگیری فرمائیں گے۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے آئندہ نمبر سے ہر ماہ ایک طرحی مشاعرہ کی اشاعت کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ طرحی غزلیں ہر ماہ کی ۵ ار تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانی چاہئیں۔ اگلے پرچے کے لئے مندرجہ ذیل مصرعہ تجویز کیا گیا ہے۔

"زندگی مرنے میں ہے مرنا تری محفل میں ہے"

محفل۔ بسمل وغیرہ قافیہ۔ "میں ہے" ردیف

ادبی شعبے کے علاوہ فلمی اور طبی شعبے بھی قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہر دو شعبوں میں دلچسپی رکھنے والے حضرات سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے مضامین سے دستگیر نوازی فرمائیں گے۔

"دستگیر" کی پالیسی صلح کن ہوگی اور دلآزار مضامین کی اشاعت حتی الامکان ممنوع تصور ہوگی۔ تنقیدی مضامین جب تک کہ ذاتیات اور دلآزاری کی حد کو نہ پہنچیں اور جن کی غرض و غایت محض اصلاح ادب ہو اشاعت پذیر ہو سکیں گے۔ تاہم ایسے مضامین کی اشاعت میں مکمل احتیاط سے کام لیا جائے گا۔

افسوس کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے کہ حال ہی میں دستگیر کو ایک اور صدمۂ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی جناب اعظم کی بھاوج مکرمہ نے جو ایک عرصہ سے علیل تھیں۔ مورخہ ۱۶ ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کے شوہر ڈاکٹر درگا داس صاحب صوفی پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ ان حادثاتِ پیہم سے جناب اعظم کو جن ذہنی صدمات سے دوچار ہونا پڑا وہ کچھ ان ہی کی ذات سے متعلق ہیں۔

دعا ہے کہ خدا مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور جناب اعظم نیز دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ آمین۔

آسام میں طبیہ کالج کا اجراء

طبی دنیا میں یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ دہلی کے طبیب اعظم عالیجناب خورشید الحکماء حکیم پنڈت ترلوک ناتھ صاحب اعظم کی تحریک اور سعی بلیغ سے آسام گورنمنٹ نے سرزمین آسام میں ایک اعلیٰ

پیمانہ پر آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج کھولنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

وزارت آسام غالباً ہندستان کی پہلی قومی وزارت ہے جس نے برسر اقتدار آتے ہی اپنے بزرگان سلف کے عطیۂ گراں مایہ فن طبابت کی طرف فوری توجہ مبذول فرمائی۔ کاش کہ ہندستان کی دیگر قومی وزارتیں بھی اپنے اہم ترین فرض کا احساس فرمائیں اور وزارت آسام کی تقلید کے طور پر اپنے اپنے صوبوں میں جگہ بہ جگہ طبیہ کالج کھول کر اپنی دوراندیشی اور فراخ د ۃ ثبوت دیں۔

آسام کی وزارت بلاشبہ ایک ذمہ دار وزارت ہے اور یہاں کے زیرک و دانا وزیر اعظم آنریبل سر سید سعد اللہ صاحب اور ان کے رفیق کار آنریبل خان بہادر سعید الرحمان صاحب وزیر تعلیم اور جناب ابو لیس صاحب ایم، بی، ای ڈائرکٹر آف محکمہ تعلیم (آسام گورنمنٹ) ہر طرح سے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کمال دانشمندی کے ساتھ ایک عظیم الشان طبی درسگاہ کے قیام کا احساس فرماکر جرأت و دلیری کے ساتھ اس کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

ادارہ "دستگیر" اطباء گرامی اور معزز دیگر حضرات کی طرف سے وزارت آسام کا تہ دل سے مشکور و ممنون ہے اور دعاگو ہے کہ ایسے کار خیر کے اقدام کیلئے خدا ان کو توفیق عطا فرمائے۔

(ادارہ)

بزم احسن کا قیام

مظفر نگر۔ ۷ نومبر سنہ ۱۹۴۴ء۔ آج بوقت شب دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی شائقین علم و ادب کا ایک عام جلسہ ہوا جس میں جناب صغیر احسنی جلال آبادی نے بزم احسن کے قیام کی ضرورت کی وضاحت کی۔ چنانچہ باتفاق رائے بیادگار ناخدائے سخن مولانا احسن مارہروی علیہ الرحمۃ بزم احسن قائم کی گئی اور حسب ذیل حضرات کا انتخاب بہ حیثیت عہدہ داران بزم عمل میں لایا گیا۔

صدر :۔ مسٹر تنویر الحق بی، اے

نائب صدر :۔ حضرت پریم بدایونی

سکریٹری :۔ جناب صغیر احسنی جلال آبادی

ممبران ہیں :۔

سید اختر حسین مظفر نگری۔ سید افتخار حسین کال۔ جناب رشید مظفر نگری۔ جناب سحر بوڑھانوی۔ سید زاہد لہاشتی۔ نشاط کاندھلوی حیات مظفر نگری وغیرہم نے بالخصوص بڑی دلچسپی اور سرگرمی کا

اظہار کیا۔

(نامہ نگار خصوصی)

اعزازی خطابات

ہم "دستگیر" کے مندرجہ ذیل معاونین کو نئے سال کے اعزازی خطابات پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔
(ادارہ)

کے، سی، آئی، ای

ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب آف بشہر (رام پور)

کے، سی، ایس، آئی

سر سلطان احمد صاحب انفارمیشن ممبر

سی، آئی، ای

خان بہادر شریف احمد علی صاحب کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مدراس
عالیجناب راجہ بلدیو سنگھ صاحب آف گولر۔ جاگیردار نند پور۔ کانگڑہ

او، بی، ای

آنریری لفٹننٹ سردار بہادر سردار دلباغ سنگھ صاحب رئیس اعظم لائل پور
خان بہادر شیر علی خاں صاحب رئیس اعظم۔ تیغل بالا۔ پشاور

ایم، بی، ای

حضور رانی بھونیشوری راج لکشمی دیوی صاحبہ آف کرداراج سلطانپور
بیگم شمس النہار محمود پروفیسر لیڈی برابورن کالج کلکتہ
عالیجناب اے۔ ایس۔ بیدی۔ انڈین ریڈ کراس سوسائٹی پشاور
عالیجناب خان صاحب چودھری نفضل خاں ایم، ایل، اے امرتسر (پنجاب)
خان بہادر منشی محمد ذکی ایم، ایل، اے سرکاری وکیل گورکھپور

خان بہادر

خان صاحب ابو الفصاحت حضرت حفیظ جالندھری۔ دہلی

رائے صاحب

عالیجناب رتن لال صاحب رئیس اعظم راولپنڈی
عالیجناب ایل۔ ایس۔ بھارگو صاحب رئیس اعظم فیروزپور
عالیجناب ایچ، سی بانسل ہیڈ ماسٹر اینگلو ورنیکلر سکول ٹونڈلہ
عالیجناب لابھا رام صاحب سوری سپرنٹنڈنٹ ریلوے بورڈ۔ نیو دہلی
عالیجناب مسٹر پی، آر، پوری سپرنٹنڈنٹ سنٹرل پی ڈبلیو ڈی ژن آفس شملہ
عالیجناب ٹھاکر جے سنگھ چیئرمین تعلیمی کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ علی گڑھ
عالیجناب پنڈت آر، این دھار۔ سرکاری وکیل کانپور
عالیجناب امر سنگھ صاحب ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ
عالیجناب جی، کے، چاند صاحب آنریری مجسٹریٹ چک ۱۰/۶/۱ ننکانہ صاحب
عالیجناب آر، ایس صاحب چوپڑہ۔ ڈی، ایف، او چھانگا مانگا
عالیجناب میاں اودے سنگھ صاحب تحصیلدار صاحب کانگڑہ
عالیجناب آر، آر مہتہ۔ اے، ڈی، ایم۔ کیمبل پور
عالیجناب آچارج لعل صاحب رئیس اعظم۔ پشاور
عالیجناب پنڈت امرناتھ صاحب۔ سٹینوگرافر پنجاب سٹیٹس ریذیڈنسی۔ لاہور
عالیجناب اے، آر سیٹھی۔ اے۔ ایف، اے ملٹری فائنانس ڈیپارٹمنٹ۔ نئی دہلی
عالیجناب ایس، آر، سیٹھی۔ سی، جی، او سنٹرل ارڈننس ڈپو۔ کانپور
عالیجناب بی۔ سی۔ جین سپیشل مجسٹریٹ۔ مظفرنگر
عالیجناب جی آر، سنگھ صاحب ہیڈ ماسٹر ٹاؤن ایچ، ای سکول منٹگمری
عالیجناب کرم چند صاحب سپرنٹنڈنٹ آفس آف دی سکریٹری نیشنل ڈیفنس کونسل۔ نئی دہلی
عالیجناب لکشمن سروپ صاحب آفیسر سپروائزر میڈیکل ڈائرکٹریٹ۔

عالیجناب اے حسن صاحب دیوان ۔ کرواٹی سٹیٹ
〃 قادر علی صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اُردو ہائی سکول ۔ امراوتی
〃 محمد شاہ الحمید رئیس اعظم ترچناپلی
〃 لفٹننٹ چودھری جمعدار خان صاحب دیوان ۔ دوجانہ سٹیٹ
〃 میر حاجی خاں ۔ احمد صافی ۔ ناظم کالات سٹیٹ
〃 فضل الدین آدفیسر سپروائزر ۔ ایئر ہیڈ کوارٹر ۔ نئی دہلی ۔

اے ۔جی برانچ ۔ جی ایچ کیو ۔ نئی دہلی
عالیجناب سی ایل کوشل صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مینل ورکس انسٹی ٹیوٹ سیالکوٹ

خان صاحب

عالیجناب محمد یعقوب صاحب سٹینوگرافر اکسٹرنل آفیئرز ڈیپارٹمنٹ دہلی
عالیجناب ایس ۔ بی ۔ گھی والا چیف سکریٹری ۔ جونا گڑھ

دوستی کی دعوت

از حضرت احسان دانش

یہ مسیں بھیگی ہوئی یہ خال و خط میں دلکشی
کر رہا ہے کس سے ناداں ادّعائے دوستی!

میں فنکارِ نو نہیں ہوں، یہ پُرانا جل نہ دے
میں لہو کانٹوں کے پرستاروں میں جھلو گل نہ دے

تو ابھی کچی جوانی میں ہے مسرورِ خرام
تیرا ہر پیماں ہے بے شجرہ، ترا ہر قول خام

تو ابھی اندوہ کی تلخی کو چکھ سکتا نہیں
تو تو امِ آدمیت کو پرکھ سکتا نہیں

تیرے وعدے مستند ہیں، اور نہ قسمیں معتبر
تیرے اقراروں کے مالاؤں میں ہیں جھوٹے گہر

بات کب بے نقص کر سکتا ہے نطق ناتمام
اور پھر علم و یقیں جب ہو کتابوں کا غلام

تیرے لفظوں کی جبیں پر تجربوں کی ضو نہیں
تیری شریانِ تکلم میں لہو کی رو نہیں

تیرے فقروں میں نہیں تائیدِ روحانی کا رنگ
تیرے لہجے میں کہیں ماتم، کہیں ہے جلترنگ

یہ کھنکتے بول، بجتے حرف، لہراتے سوال
ان کی گنجائش میری مایوسیوں میں ہے محال

دو غلے مفہوم کو پہچانتا ہے دل مرا
تیری کشتی سے ہے طوفانوں پرے ساحل مرا

دوستی اور تو! مجھے ہرگز نہیں اس کا یقیں
خامیٔ ادراک میں یہ پختگی ممکن نہیں

ہیں ابھی تیری تمنائیں مریضِ اختلاج
فطرتاً پگھلا مسالہ ہے ابھی تیرا مزاج

بے استحکام ہے دامِ تلوّن کا اسیر
روز و شب کی بھٹیوں میں ہے ابھی سیمِ ضمیر

ظرف میں تیرے ابھی کھولا نہیں خونِ ثبات
موسمی ہے، موسمی تیرا فروغِ التفات

سایہ جب پڑنے نہ دیگا خاک پر مہرِ شعور
عہد سے دامن بچالے گا وفاؤں کا غرور!

یہ کھلونے میری امیدوں نے ڈھالے ہیں بہت!
میں نے اپنے آستیں میں سانپ پالے ہیں بہت!

ہو نظر جب تک نہ بالغ آدمی کچھ بھی نہیں
زندگی بے تجربات زندگی کچھ بھی نہیں

قطعہ اور رُباعی کا فرق

(از جناب صغیر احسنی جلال آبادی)

دنیائے ادب میں جس قدر انقلابات بیسویں صدی میں ظہور پذیر ہوئے ہیں ان کی مثال ماقبل صدیوں میں نہیں ملتی۔ اگر ایک طرف افسانے، ڈرامے، خطوط نویسی، تنقیدی مقالات، نظمیں اور غزلیں غرضیکہ یہ ہر نوع ہمارے لٹریچر میں گوناگوں اضافے ہوئے اور ہو رہے ہیں تو دوسری جانب مغرب زدہ دماغ ناواقفیت فن کے باعث زعم ہمہ دانی میں مشرقی علوم و فنون کو مٹانے پر شب و روز کمر بستہ ہیں۔ گلے بازی اور ترنم ریزی نے ہمارے شعراء کو تحصیل علم عروض سے تو بالکل ہی بے پرواہ کر دیا۔ بہت کم شعراء ایسے ملیں گے جو علم عروض سے واسطہ رکھتے ہوں۔ ہر اردو خواں خواہ شاعر ہو یا غیر شاعر یہ جانتا ہے کہ قطعہ اور رباعی اقسام نظم میں دو مختلف چیزیں ہیں۔ مگر اکثر اچھا خاصہ کہنے والے اور صاحب دیوان شاعر بھی قطعہ اور رباعی کی فنی تعریف و تصریح سے ناآشنا ہیں۔ میرے ایک دوست نے ایک صاحب کا مطبوعہ کلام مطالعہ کیلئے مجھے دیا۔ اس کے صفحہ اول پر رباعیات کے تحت میں ایک یہ قطعہ درج ہے ؎

حاصلے نیست اگر قصد کنم سوئے حرم
فائدہ چیست اگر جانب بت خانہ روم
ہر کجا می نگرم جلوۂ زیبائے تو ہست
بندۂ حسن توام بندۂ درگاہ نیم

ماہنامہ "ہمایوں" لاہور کے بلند پایہ رسائل میں شمار ہوتا ہے اس کے ماہ جون ۱۹۴۳ء کے شمارے میں جناب لطیف انور گورداسپوری کے یہ قطعے رباعیات کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔

حشر کو ساتھ کیوں نہ لے آئے
تیرہ بختی کے مضمحل سائے
دل کا کچھ ایسا حال ہے انور
جیسے کوئی چراغ بجھ جائے

مدعائے نیاز مل جائے
سوز کے ساتھ ساز مل جائے
تم اگر ایک لمحہ کو آؤ
مجھ کو عمر دراز مل جائے

عموماً حضرات ناواقفیت فن کی وجہ سے چار مصرعوں کے اس مجموعہ کو کہ جس کے چاروں مصرعے یا تیسرے مصرعہ کے علاوہ باقی تین مصرعے ہم قافیہ ہوں رباعی اور بے مطلع دو یا اس سے زیادہ اشعار کو قطعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بلحاظ فن قطعاً غلط ہے۔

قطعہ:- اہل لغت کو لفظ قطعہ کے اعراب میں اختلاف ہے اکثر متقدمین نے بکسر اول اور بعض متاخرین نے بفتح اول کہا ہے۔ قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں۔ چونکہ یہ قصیدہ یا غزل کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اسی لئے قطعہ نام رکھا گیا ہے۔ قطعہ میں قصیدہ کی طرح تمہید و تشبیب ضروری ہے نہ مطلع کی پابندی۔ یعنی خواہ مطلع ہو یا نہ ہو مگر اساتذۂ مستند کا معمول بالعموم اور بکثرت بغیر مطلع رہا ہے۔ از روئے مضامین اس کے اشعار مسلسل ہوتے ہیں۔ تعداد اشعار کی کوئی قید نہیں ہے۔ اکثر متقدمین نے دو دو اشعار کے قطعے بھی کہے ہیں اور رباعی کی طرح ان میں تین قافیے یعنی مطلع بھی کہا ہے۔ مثلاً شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو		ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو		ہر چہ کنی رضائے تو

قطعہ میں رباعی کی طرح کوئی پابندی وزن نہیں ہے یعنی رباعی کے مقررہ اوزان کے علاوہ ہر وزن میں قطعہ کہا جا سکتا ہے۔

رُباعی:- رباعی کی تاریخ ولادت ۲۵۱ھ سلطان یعقوب بن لیث صفار کے لڑکے سے وابستہ ہے۔ ایک روز وہ گولیوں سے کھیل رہا تھا چند گولیاں ڈھلک ڈھلک کر ایک جگہ جمع ہو رہی تھیں۔ آخری گولی کچھ رک رک کر ڈھلک رہی تھی۔ جس کی وجہ سے لڑکا دل

گرفتہ تھا۔ یکایک وہ گولی بھی کسی وجہ سے دیگر گولیوں کی طرف تیزی سے چلنے لگی۔ فرطِ مسرت میں لڑکے کی زبان سے یہ مصرعہ جاری ہوا ؎

غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گو

باپ نے اس موزونیت طبع کا ذکر شعرائے عصر سے کیا۔ [...]وران عروض نے ہر بحر میں غوطے لگائے آخر بحر ہزج میں اس کا [...]حل بیڑا لگا اور رودک نے اس پر تین مصرعہ اور بڑھا دیئے۔

رباعی کو ترانہ۔ دوبیتی اور چہار بیتی بھی کہتے ہیں۔ رباعی کے چاروں مصرعے یا علاوہ تیسرے مصرعہ کے باقی تین مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ وزن اس کے لئے مخصوص ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی وزن میں رباعی نہیں کہی جا سکتی ہے۔ رباعی کا مشہور وزن "لاحول ولاقوۃ الّا باللہ" ہے۔

۲۴ اوزان کے منجملہ ۱۲ اوزان بحر ہزج مثمن اخرب سے مشتق ہیں اور ۱۲ وزن بحر ہزج مثمن اخرم سے مشتق ہے۔ اول الذکر کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) مفعول مفاعیل۔ مفاعیل۔ فعول
(۲) مفعول مفاعیل مفاعیل فعل
(۳) مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع
(۴) مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
(۵) مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
(۶) مفعول مفاعلن مفاعیل فعل
(۷) مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع
(۸) مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
(۹) مفعول مفاعیلن مفعول فعول
(۱۰) مفعول مفاعیلن فعول فعل
(۱۱) مفعول مفاعیلن مفعولن فاع
(۱۲) مفعول مفاعیلن مفعولن فع

موخر الذکر ۱۲ اوزان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) مفعولن فاعلن مفاعیل فعول
(۲) مفعولن فاعلن مفاعیل فعل
(۳) مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع
(۴) مفعولن فاعلن مفاعیلن فع
(۵) مفعولن مفعولن مفعولن فاع
(۶) مفعولن مفعولن مفعولن فع
(۷) مفعولن مفعولن مفعول فعول
(۸) مفعولن مفعولن مفعول فعل
(۹) مفعولن مفعول مفاعیل فعول
(۱۰) مفعولن مفعول [مف]اعیل فعل
(۱۱) مفعولن مفعول مفاعیلن فاع
(۱۲) مفعولن مفعول مفاعیلن فع

رباعی میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ شاعر اگر چاہے تو ایک مصرعہ ایک وزن میں اور دوسرا مصرعہ دوسرے وزن میں، اسی طرح چاروں مصرعے۔ منجملہ ۲۴ اوزان مذکورہ بالا چار اوزان میں کہہ سکتا ہے۔

احسن الکلام

از

حضرت مولانا احسن مارہروی

دل جھکا مائل طبیعت ہوگئی — آج بسم اللہ اُلفت ہوگئی
محو دل سے سب شکایت ہوگئی — سامنے جب اس کی صورت ہوگئی
دے دیا دل جس کو ہم نے دیدیا — ہوگئی جس سے محبت ہوگئی
اُن کو دیکھا اور باتیں بھی ہوئیں — خواب میں بیدار قسمت ہوگئی
وہ فریبِ ناز دے کر لے گئے — کتنی ارزاں دل کی قیمت ہوگئی
موت کا آنا قیامت ہوگیا — ہم کو غم کھانے سے فرصت ہوگئی
فتنہ سازی تک جو تھی مشقِ خرام — رفتہ رفتہ وہ قیامت ہوگئی
کیسی مطلب آشنا تھی چشمِ شوق — دل اُڑایا اور چمپت ہوگئی
دل کی چالوں کا نتیجہ یہ ہوا — وقت سے پہلے قیامت ہوگئی

کہہ گئے احسنؔ کے مُنہ پر آج وہ
تیری صورت سے بھی نفرت ہوگئی

حُسنِ تغزّل

از

مولانا آبر احسنی

محبت کی ایک اک ادا کا فسانہ — بظاہر بہ عنواں بباطن فسانہ
بنا آشیانہ، جلا آشیانہ — یہی لے سکا کروٹیں دو زمانہ
ترا جور دل میں فغاں بن رہا ہے — مرتب نیا ہو رہا ہے فسانہ
زمانہ کو ٹھکرا کے بھی دیکھ لے تو — رہے گا تری ٹھوکروں میں زمانہ
بتاؤں تجھے اپنے سجدے کی رفعت — بلندی میں جیسے ترا آستانہ
محبت بھی اب رہ گئی جُرم بن کر — الٰہی کدھر جا رہا ہے زمانہ
غمِ عاشقی ہے حدود قضا میں — مکمل ہوا چاہتا ہے فسانہ
کروں کس لئے جستجو آستاں کی — جہاں سر جھکا دوں بنے آستانہ
زمانہ کو چاہو جدھر سے بدل دو — تمہاری خدائی تمہارا زمانہ

عجب رنگ سے زندگی آبر گذری
جہاں بس گئے بن گیا آشیانہ

ذلّت کا احساس

(از جناب اختر انصاری بی، اے آنرز)

میں اس دن ذرا اچھے اور صاف کپڑے پہنے ہوئے تھا اور ایک پڑھا لکھا شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ جب کبھی میں موقع کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی شربتی رنگ کی دھاریدار اچکن سفید کینوس کا شو اور سفید موزوں کی جوڑی نکال کر پہن لیتا ہوں تو مجھ میں یہی تبدیلی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن اس روز اسی تبدیلی کے باعث مجھے بڑی ذلت اور پریشانی اٹھانی پڑی۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں حسب معمول اپنا پھٹا ہوا ٹرکش کوٹ پیوند لگا ہوا پاجامہ اور گھسا ہوا جوتہ (جو اپنی اصلی شکل سے بہت مختلف ہو چکا ہے اور جس کا سیاہ رنگ سفید ہو جانے کے قریب ہے) پہنے ہوتا تو وہ یکے اور تانگے والے ہرگز میری طرف توجہ نہ کرتے۔

صاحب کا بنگلہ سڑک کے کنارے واقع تھا۔ میں بنگلے سے نکلا اور مستعدی کے ساتھ اپنے راستہ پر ہولیا۔ میری بائیں جانب ایک اور سڑک تھی جو نصف دائرہ بناتی ہوئی ذرا آگے چل کر اس سڑک سے مل جاتی تھی جس پر میں جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف ایک خالی تانگہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ جونہی تانگے والے کی نظر مجھ پر پڑی اس نے تانگہ کی رفتار تیز کر دی۔ ہم دونوں ـــــ میں اور وہ تانگہ والا دو مختلف سڑکوں پر چل رہے تھے۔ لیکن منزل ایک تھی۔ یعنی بہت جلد ہم دونوں اس چوراہے پر پہنچنے والے تھے جو دونوں سڑکوں کا مقام اتصال تھا فرق تھا تو اتنا کہ مجھے بہت تھوڑا سا راستہ طے کرنا تھا اور تانگے والے کو سڑک کی گولائی کی وجہ سے بہت زیادہ۔ چنانچہ تانگے والے کے لئے نہایت ضروری تھا کہ وہ اپنی رفتار تیز کرے تاکہ چوراہے تک پہنچتے پہنچتے مجھے پکڑ لے۔ جب وہ سڑک کی گولائی کا ابتدائی حصہ عبور کر رہا تھا تو (تھوڑی دیر کیلئے) مجھ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اور قدرے مختلف سمت میں تھا۔ لیکن اس کا چہرہ میری طرف مڑا ہوا تھا۔ اور جس نسبت سے میں آگے بڑھ رہا تھا اسی نسبت سے اس کا چہرہ میری طرف گھوم رہا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں نہایت ہٹ دھرمی کے ساتھ میرے اوپر گاڑ رکھی تھیں اور برابر نظر ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ میری طرف سے سر کی ایک خفیف جنبش یا ہاتھ کے ایک مختصر اشارے کی توقع کر رہا تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ جب میں اس طرح تانگے پر چلنے کی آمادگی ظاہر کروں تو وہ مجھے نہ دیکھ رہا ہو۔ اور یوں موقع کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اس کی حیثیت ایسے شکاری کی سی تھی جس نے ایک جنگلی جانور کو تاک لیا ہو اور نشانہ لگانے کے لئے مناسب موقع کا انتظار اور صحیح زاویئے کی جستجو کر رہا ہو۔ لیکن مجھے تو تانگہ چاہیئے تھا نہیں۔ اس لئے میں خاموشی سے اپنے راستہ پر چلتا رہا۔

وہ مجھ سے چند لمحے پیشتر چوراہے پر پہنچ گیا۔ جب میں اس کے پاس سے گذرا تو وہ انتہائی شدت کے ساتھ مجھے گھور رہا تھا۔ اس کا سارا وجود ایک سوال بن کر اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

"آپ کو میرا تانگہ درکار ہے؟"

لیکن میں اس سوال کا جواب دیئے بغیر اس کے برابر سے نکل گیا۔ وہ بھی میرے پیچھے آیا۔ اور پھر الفاظ اس کی زبان پر آہی گئے۔

"تانگہ لاؤں صاحب؟"

"نہیں"۔ میں نے کہا

"تھوڑے سے پیسے لے لوں گا صاحب"

تو گویا وہ جانتا تھا کہ یہ شخص غریب ہے اور تانگے پر بیٹھنے سے اس لئے ہچکچاتا ہے کہ پیسے زیادہ خرچ ہو جائیں گے۔ لیکن میرے لئے کم اور زیادہ کا کوئی سوال نہ تھا۔ میری جیب سرے سے خالی تھی۔ میں نے پھر انکار کر دیا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص کتنا ضدی ہے۔ "بہت جلدی پہنچ جائیگا"۔ اس نے کہا۔ گویا یہ بات میرے ذہن میں اُتر گئی تھی کہ گھوڑا انسان سے زیادہ تیز چلتا ہے اور دوڑتا ہے یا نہیں۔ وہ مجھے لالچ دے رہا تھا۔ اور ایک پیدل چلنے والے کو اسکی "مصیبت" کا احساس دلا کر اپنا کام نکالنا چاہتا تھا۔ میں نے اس نامعقول بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

لیکن وہ میرے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اور تھوڑی دیر میں پھر بولا۔ "لے چلوں صاحب؟"

اب میں جھلا گیا۔ "ارے بھئی کیوں پیچھے پڑے ہو؟ کہاں لے چلو گے؟ ——— آخر کہاں لے جاؤ گے؟"

"شہر جائیے گا نا آپ؟" اس نے ذرا دبی ہوئی آواز سے کہا۔

"میں تو شہر نہیں جا رہا ہوں۔ مجھے تو یہاں سامنے کوٹھی تک جانا ہے۔" میں نے ہاتھ کے اشارے سے بتاتے ہوئے کہا۔

اب وہ بے بس ہوگیا اور مایوسانہ خاموشی اختیار کر کے پیچھے رہ گیا۔ میں آگے بڑھ گیا۔

جب میں اس جلتی دوپہر میں سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوبا ہوا ہانپتا کانپتا چلا جا رہا تھا۔ تو میں نے سوچا کہ تانگے والے پر ناراض ہونا میری سخت غلطی تھی۔ اگر اس نے سمجھا کہ یہ شخص تانگے پر چلیگا تو اس کی توقع ہرگز مہمل اور دور از کار نہ تھی۔ کون ایسا شخص ہے جو اس قیامت کی گرمی میں ٹھیک دوپہر کے وقت ان لمبی لمبی سڑکوں پر چلنا پسند کریگا۔ لوؤں کا زمانہ ہے۔ آسمان سے آگ برس رہی ہے۔ ہوا کے جھونکے شعلوں کی طرح محسوس ہوتے۔ زمین جلتے ہوئے لوہے کی طرح گرم ہے۔ خاک کا ایک ایک ذرہ آفتاب بنا ہوا ہے۔ ایسے میں تو جی چاہتا ہے کہ "خس خانہ برفاب" کی دنیا نہ سہی کسی پھونس کے جھونپڑے میں پڑ رہیئے۔ اور یہ بھی میسر نہ ہو تو کسی درخت کی گھنی چھاؤں میں آرام کیجئے۔ چنانچہ اس عظیم الشان شہر کے ہزاروں لاکھوں باشندوں میں سے دس بیس بھی تو ایسے نہیں ہیں جو ان شاہراہوں پر نظر آتے ہوں۔ پھر اگر ایک میں ایسا بدبخت انسان ہوں جو ایسے میں گھر سے باہر رہنے پر مجبور ہے تو مجھے چاہیئے کہ تانگے یا یکے میں بیٹھوں۔ اور اگر اس کا مقدور نہ ہو تو کم سے کم غریب تانگے والوں پر تو غصہ نہ اتاروں۔

تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ سامنے درخت کے سائے میں تین یکے کھڑے ہیں۔ یکے والے اونگھ رہے تھے اور نیم درازی کی حالت میں آرام کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی چوکنے ہو گئے اور سنبھل سنبھل کر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا۔ لیجئے یہ اور مصیبت آئی۔ میرے نزدیک ان کے تقاضوں سے بچنے کی بہترین سبیل یہ تھی کہ ان کی طرف ایک مرتبہ دیکھوں اور پھر اس انداز سے نکلتا چلا جاؤں گویا میرے دل میں یکے پر بیٹھنے کا ذرا بھی ارادہ نہیں ہے تاکہ ان کو مجھ سے مخاطب ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ وہ امیدوار نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے۔ لیکن کچھ کہنے کی جرات نہ کر سکے۔ شاید خود ان کا جی نہیں چاہتا تھا کہ درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کو چھوڑ کر دھوپ میں تپیں اور لو کے طمانچے کھائیں۔

میں نے ان یکوں کو چند قدم پیچھے چھوڑا ہوگا کہ ایک بڑی کوٹھی کے احاطہ میں سے دو شخص باہر آئے۔ یہ اپنی وضع قطع سے خانساماں معلوم ہوتے تھے۔ ٹوکریاں ان کے ہاتھوں میں لٹک رہی تھیں۔ جس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ بازار سے سودا سلف لینے جا رہے ہیں۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر یکوں کو دیکھا۔ اور ایک نے آواز لگائی۔ "شہر چلتے ہو؟"

تینوں بیک وقت حرکت میں آ گئے۔

ادھر سے خانساماں پھر پکارا۔ "ایک آنہ ملیگا۔ ایک آنہ ——— دو سواریوں کا ایک آنہ۔"

"آٹھ پیسے ہونگے۔" ایک یکے والے نے اس طرف سے کہا۔

دونوں خانساماں ہنس ہنس کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ان کی بیشتر گفتگو فحش تھی۔ کوئی فقرہ گالیوں سے خالی نہ تھا۔ انہوں نے طے کیا کہ چار پیسے سے ایک کوڑی زیادہ نہیں دیں گے۔ اور بالآخر دونوں ایک یکے میں بیٹھ گئے۔

جب یکہ میرے برابر سے گذرا تو یکے والا بولا "شہر کو ایک سواری۔"

میں چپ رہا تو اس نے پھر کہا۔ "دو پیسے فی سواری۔"

لیکن اس کی چیخ و پکار فضول تھی۔ جو چیز خانساماں کی قسمت میں تھی میں اس سے محروم تھا۔

اب میرے سامنے دو ڈھائی میل لمبی سڑک۔ جو سیدھی شہر کو جاتی تھی۔ اتنی طویل مسافت اور انسان کے چھوٹے چھوٹے قدم ——— میں اپنے دل میں سوچنے لگا۔ تانگوں اور موٹروں کے مقابلے میں انسان کی رفتار کس قدر سست ہے! جب میں اپنی چارپائی پر بیٹھا ہوا زمین پر رینگتی ہوئی چیونٹی کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی بے کسی پر کتنا رحم آتا ہے۔ لیکن کیا میری حیثیت ان لوگوں کے مقابلے میں جو بگھیوں اور موٹروں پر بیٹھے ہوئے ہوا کے جھونکے کی طرح سن سے گذر جاتے ہیں اسی چیونٹی کی سی نہیں ہے؟ کیا میں ان لاکھوں کروڑوں

انسانوں میں سے نہیں ہوں جن کو اس دنیا کے اور اس دنیا والوں کے حشرات الارض کا درجہ دیدیا ہے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور چلنے پھرنے کے قابل ہوا ہوں برابر پیدل چلتا رہا ہوں۔ گرمی ہو یا سردی۔ دھوپ ہو یا بارش۔ بیماری ہو یا صحت۔ ہر حال میں اور ہر موسم میں زمین پر اپنی ٹانگوں کی مدد سے گھسٹتا رہا ہوں۔ مجھے کبھی تانگوں اور موٹروں پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ پھر کیا میں انسان نہیں ہوں؟ کیا مجھے ایک انسانی ماں نے نہیں جنا؟ اور کیا یہ صورت حال نوع انسان کے لئے توہین آمیز نہیں ہے؟ کیا اس سے انسانیت کی تذلیل نہیں ہوتی؟

میں ان خیالات میں غرق۔ پسینے میں شرابور۔ گردن لٹکائے ہوئے چلا جا رہا تھا کہ ایک تانگہ نہایت تیزی کے ساتھ آیا اور مجھے گرد کی طرح پیچھے چھوڑتا ہوا نکل گیا۔ تانگے میں ایک صاحب بیٹھے تھے جن کی صورت نہایت کالی تھی اور کپڑے نہایت سفید۔ یہ وہی تانگہ تھا جو ذرا دیر پہلے مجھے مل چکا تھا۔ تانگے والا جس سے میں نے کہا تھا۔ شہر نہیں جاتا ہے میری طرف ہنستی ہوئی اور مذاق اُڑاتی ہوئی نظر ڈال سے دیکھتا ہوا گزر گیا۔ اب اس کی آنکھوں میں وہ پہلے جیسی امیدوارانہ کیفیت نہ تھی۔

معلوم نہیں، اُس نے میرے متعلق کیا رائے قائم کی۔ مجھے نادار خیال کیا یا خسیس! یا محض چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

میرا خیال ہے اگر اس دن میں اپنا پھٹا ہوا ٹرکش کوٹ پیوند لگا ہوا پاجامہ اور گھسا ہوا جوتہ پہنے ہوتا تو شاید اس ذلت او پریشانی سے بچ جاتا۔

رنگِ تغزّل

(جناب عرشؔ ملسیانی)

عشق کو تیری خوشی سمجھا تھا میں ⁂ ہاں مری جاں ہاں یہی سمجھا تھا میں

وہ تو نکلا اک فریبِ آرزو ⁂ جس کو ذوقِ بندگی سمجھا تھا میں

اِس طرح کھُل جائے گا باتوں میں راز ⁂ کب بھلا یہ راز ہی سمجھا تھا میں

ورنہ میں اور اعتبارِ دوستی ⁂ اصل میں کچھ اور ہی سمجھا تھا میں

تم یوں ہی مجھ پہ خفا ہونے لگے ⁂ کب تمہاری بات ہی سمجھا تھا میں

اور کس کا تھا بھلا ایسا مذاق ⁂ میں نکاتِ عاشقی سمجھا تھا میں

التفات اے عرشؔ اِسی کا نام ہے
جس کو اُن کی بے رُخی سمجھا تھا میں

(مذاحیہ)

پیار

(از جناب پریم بدایونی)

اندر سے چیں چیں، میں میں، ریں ریں جیسی دسیوں قسم کی ننھی، پتلی، چھوٹی، بڑی، بچکانی، زنانی آوازیں آرہی تھیں جس کی وجہ سے ہم نے بیٹھک کا وہ دروازہ جو اندر کی طرف کھلتا تھا بند کرلیا تھا۔ اس مجمع شادی کی ہڑبونگ کے بے سُرے گھر بلو ارگن کے تمام تار یکے بعد دیگرے متضاد زبانوں کی مضراب سے بج تو رہے تھے مگر ہمارے کانوں میں سوائے گھوں، گھاؤں کے کچھ نہ تھا۔

تو ابھی دروازہ بند کئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ کان میں ایک قرمزی قہقہہ کی آواز آئی۔ اور معلوم ہوا کہ کوئی آرہا ہے — ہم سوتے ہوئے بن گئے — خفیف آنکھیں کھول کر ہم نے دیکھا۔ تین شوخ وشنگ نوخیز لڑکیاں، دوشیزگی کی فردوسی رعنائیاں جن کی بلائیں لے رہی تھیں — خاص کر ایک سبز پوش۔ چھریرا جسم۔ ہوشربا غزالی آنکھیں عارض سیمیں چاندنی رات میں گلاب کے پھول — تپتے یاقوتی ہونٹ صناعی قدرت کا بہترین نمونہ — جس میں صانع نے کائنات کی تمام دلفریبیاں سمو دی تھیں — بار دوشیزگی سے جھکی جھکی مخمور نگاہیں۔ جو زاہد صد سالہ کے خیالات کو بھی ایک دفعہ منتشر کرسکتی تھیں — دروازہ کھول کر دھیرے دھیرے اندر آگئیں — بیٹھک کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سرخ پوش جس نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ بولی —

"ارے دیکھنا یہ کو ۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

سبز پوش مڑ کر دیکھتے ہوئے۔ "ارے چُپ مُردی دھیرے۔"

سرخ پوش:۔ "یہ شاید ۔ ۔ ۔ ۔"

تیسری نارنجی پوش:۔ جو ہماری بھاوج کی بہن کی لڑکی تھی "ہاں! یہی وہ ہیں جن کا ذکر شام ناصری کر رہی تھیں۔"

سبز پوش:۔ "ہیں تو فیشن پرست۔ اور دیکھنا بال کس قدر سنہرے اور خوبصورت ہیں۔"

پہلی:۔ "تمہیں پسند ہیں تو ؟"

نارنجی پوش:۔ "چکنا چہرا۔ فیشن ایبل ہے۔ پسند آگیا۔ دل ہی تو ہے اور دل سے آدمی مجبو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

سبز پوش:۔ (بات کاٹ کر) "تمہارا کلیجہ ہے۔ کہیں اپنی بات دوسروں پر تو نہیں ڈال رہی ہو۔ جیسے آئی ہو گھور گھور کر کھا سے جاتی ہو۔"

نارنجی پوش:۔ "اللہ اللہ۔ رشک ہونے لگا۔ کوئی دیکھے بھی نہیں۔ بہت اچھا تم سیر ہو لو۔ ہم جا رہے ہیں" — اور وہ دوسری کو پکڑ کر چلنے لگی۔ مگر سبز پوش نے فوراً اس کو پکڑتے ہوئے کہا "کہاں جا رہی ہے مالزادی!" — جس پہ پہلی نے اسکو دھکا دیا وہ چونکہ ہمارے قریب کھڑی تھی۔ لہذا ہمارے اوپر گری۔ ہم نے فوراً پکڑ لیا۔ وہ دونوں ہمارے اُٹھتے ہی "توبہ ہے" کہتی ہوئی بھاگ گئیں

سبز پوش کو ہم نے چونکہ ہم لیٹے ہوئے تھے۔ اور وہ ہمارے اوپر گری تھی لہذا ہم نے اسکو ویسے ہی دبا لیا — سر اسکا ہمارے سینہ پر آتے ہوئے منہ سامنے ہوگیا۔ نظر ملتے ہی آنکھیں بند کرلیں۔ اور چھٹنے کے لئے زور لگاتے ہوئے بولی "چھوڑ دو مجھے جانے دو۔"

ہم:۔ "ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ ہم کس قدر موجودہ رنگ پرست ہیں۔ اور ہمارے بال بھی سنہرے اور خوبصورت ہیں۔ تمہیں پسند بھی ہیں شاید ؟"

وہ:۔ "نہیں مجھے کچھ پسند نہیں۔ چھوڑو مجھے خدا کیلئے۔ جانے دو کوئی آجائیگا۔"

ہم:۔ "آجائے" ہم نے اور سختی سے اسکو اپنے سے دباتے ہوئے کہا۔ اور یہ کہ ذرا آنکھیں کھولو اور ہماری طرف دیکھو۔

وہ:۔ "نہیں۔ ہم نہیں دیکھتے کسی کو۔ زبردستی بھی ہے۔ چھوڑو ہمیں۔ شیطان کہیں کے"

ہم:۔ "کبھی بھی نہیں۔ جب تک تم آنکھیں کھول کر نہ دیکھو گی۔"

اس نے خفیف آنکھیں کھول کر دیکھا۔ مگر نظر ملتے ہی فوراً آنکھیں بند کرلیں۔ اور پھر مچلتے ہوئے وہ ہی "چھوڑ دو مجھے"

ہم:۔ "جب تک تم آنکھیں کھول کر نہ دیکھو گی۔ نہیں چھوڑیں گے۔ چاہے کوئی

ابھی آجائے۔"

وہ :۔ (کچھ کھسیانی سی ہوکر) "نہیں ـــــ چھوڑ دو۔ دیکھ تو لیا۔"

ہم :۔ "یوں نہیں۔ پوری آنکھیں کھولو"

اس نے پھر خفیف سی آنکھیں کھولیں اور شرما کر سر جلدی سے سینے پر ہی رکھ دیا۔

وہ :۔ (کسمسا کر) "اب تو چھوڑ دو۔"

ہم :۔ "نہیں۔ اس طرح نہیں ـــــ ہم ابھی چھوڑ دینگے۔ پہلے آنکھیں کھول کر ہماری بات سُنو۔"

وہ :۔ "اوں ـ نہیں۔ کوئی بات وات نہیں۔ چھوڑ دو۔ واہ" اور پھر چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

ہم :۔ "فضول"

وہ :۔ "تو چھوڑتے کیوں نہیں۔ خراب آدمی کہیں کے۔"

ہم :۔ "ہرگز نہیں۔ جب تک تم ہمارا کہنا نہ کر دو گی۔"

وہ :۔ (ابروؤں پر بل ڈالتے ہوئے) "تو کہتے کیوں نہیں"

ہم :۔ "تم پہلے اچھی طرح سے آنکھیں بھی کھولو، تب کہیں۔"

وہ :۔ (آنکھیں کھول کر اور کچھ غصہ اور شرم آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے) "کہو۔"

ہم :۔ (ہنستے ہوئے) "ہمیں پیار کرو۔"

وہ :۔ (ایک دم چیں بجبیں ہوکر اور مچلتے ہوئے) "واہ۔ نہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ ہمیں نہیں آتا۔ چھوڑو ہمیں۔"

ہم :۔ "لو ہم بتادیں۔" اور مُنہ بڑھا کر ہم نے اس کی پیشانی کا بوسہ لے لیا۔

وہ :۔ (تڑپ کر اور ایک دم پیچھے کو سر ہٹا کر) "ارے توبہ! شیطان چھوڑو دو مجھے۔ کوئی آجائے گا۔"

ہم :۔ "آجائے۔ تم جب تک پیار نہ کرو گی، نہیں چھوڑینگے۔"

وہ :۔ (کسمساتے ہوئے) "اوں اوں۔ نہیں ـــ نہیں آتا ہمیں پیار، سیار۔"

ہم :۔ "نہیں آتا تو پڑے رہو ایسے ہی۔"

وہ :۔ "ارے ظالم چھوڑ دے ـــ تمہیں خدا کی قسم چھوڑ دو ـــــ اللہ کوئی آجائیگا۔ تمیم نے کسی سے کہہ نہ دیا ہو۔ میں بدنام ہو جاؤنگی۔"

ہم :۔ "ہم کہہ تو رہے ہیں۔ بس ایک دفعہ پیار کرلو اور چلے جاؤ۔"

وہ :۔ "ہائے اللہ کس طرح کروں۔ چھوڑ دو للہ۔ تمہیں کسی کی رسوائی کا خیال نہیں ہے۔"

ہم :۔ "تمہیں خود ہی نہیں ہے۔ الزام ہمیں دے رہی ہو۔ کیوں نہیں جلدی سے کہا کر دیتیں۔"

وہ :۔ "اللہ میرے میں کیا کروں۔ یہ اچھی زبردستی ہے۔ پیار کرو۔ پیار کرو"

ہم :۔ "ہاں بس ایک دفعہ اور بس۔ جس طرح ہم نے کیا۔"

وہ :۔ (مُنہ چڑا کر) ترچھی نظروں سے۔ "ہم نے کیا۔ بے شرم کہیں کے!"

ہم :۔ "جو بھی ہو۔ بلا کئے چھٹکارا نہیں ہوتا۔"

وہ :۔ "یا اللہ! کس مصیبت میں پھنس گئی۔ اچھا تم اپنی آنکھیں بند کر لو۔"

ہم :۔ "اچھا لو۔"

ہم نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اُس نے مُنہ بڑھایا۔ قریب آتے ہی ہم نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے ملا دیئے۔ وہ ایک دم تڑپی اور ہاتھوں سے نکل گئی۔ ہم نے پھر اُٹھ کر اسکو پکڑنا چاہا۔ مگر اُس نے دونوں ہاتھوں سے ہمیں دھکا دیدیا۔ الاماں۔ ہم ایک دم پیچھے کو قلابازی کھا گئے۔ سر بہت زور سے کسی چیز میں ٹکرایا۔ اس دھماکے سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ اور عالم خواب کا یہ حسین طلسم ایک جھنکار کے ساتھ ٹوٹ گیا ہم آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ اس رنگین خواب کا اثر ہنوز دماغ پر غالب تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ احساس کہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

نہایت تلخ معلوم ہو رہا تھا۔

کان میں "میں" کی آواز آئی۔ گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ سر ہمارا چارپائی سے نیچے تھا اور ٹانگیں اُوپر ـــــ میز علیحدہ پڑی تھی۔ حقہ الگ قہقہے لگا رہا تھا۔ چلم بھی ایک طرف دانت کھول رہی تھی۔ اور سر کی طرف ہمارے "بکرے میاں" گری ہوئی میز کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

دراصل ہوا یوں۔ ہم اپنے برآمدے میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس طرح کہ ہم آدھا جسم موسر کے اپنی گویا میز سے جو ایک پایہ پر چھتری نما تھی لگائے ہوئے پڑھتے پڑھتے سو گئے تھے۔ ہمارے بھائی صاحب کے یہاں ایک بکرا پلا ہوا تھا۔ وہ شیطان ہر کسی چیز سے اپنے سر کی زور آزمائی کرنے لگتا۔ بعض بعض دفعہ تو ایسی مزیدار حرکتیں کرتا کہ ہم ہنستے ہنستے اُلٹ جاتے۔ مثلاً چلا جا رہا ہے اور لگا چلتے ہی چلتے سر کو گھما کر ہوا میں قلابازیاں کھانے۔ اور کودتا سو کودتا۔ کبھی دیوار سے سر کو بھڑا دیتا۔ کبھی چارپائی مل جاتی تو اُسی سے زور آزمائی کرنے لگتا۔ کبھی حقہ زیر مشق آجاتا۔ چلم کی بابت تو یہ طے ہو چکا تھا کہ کسی دوسرے مٹیریل کی بنوائی جائے۔ یا پھر کے صاحب

کا سر ہر وقت کسی شکنجہ میں اٹکا رہے۔ اب پہلی کی بات ہے۔ ہم کھڑے ہوئے پوسٹ مین کا انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں پوسٹ مین بھی سامنے نظر آیا۔ اس نے خط دکھایا۔ ہم فوراً برآمدہ سے اترے۔ ابھی ایک قدم اوپر ہی تھا کہ اچانک پیچھے سے جو بکرے صاحب نے ٹکر دی تو چاروں شانے چت تھے۔ خیریت گذری کہ گھٹنوں کے ماتھے گئی۔

وہی آج بھی ان کے سر میں خود سری سمائی ہوگی۔ لہٰذا بھڑ او سر ہماری میز سے۔ جو بیچاری ایک ٹانگ کی تو ویسے ہی تھی۔ بھلا ان کے سر کا وہ کیا مقابلہ کرتی۔ گری اور ساتھ میں ہمیں بھی الٹا کر دیا آج بھی کھوپڑی کے سر گئی۔

تجلّیات

(از جناب قاضی محمد عبداللہ صاحب منتظرؔ۔ نئی دہلی)

بگڑی ہوئی دنیا کی ہوا ہے تو ہوا کیا
بگڑی کے بنانے کو ہے معذور خدا کیا

وہ برق تڑپتی سی، گرجتا ہوا بادل
آوارۂ سر چرخ ہے رندوں کی دعا کیا

جو چہرہ حسیں ہے وہ معرّیٰ ہے وفا سے
اس پھول میں ہوتی ہی نہیں بوئے وفا کیا

لاریب کہ ادراک سے بالا ہے تری ذات
پر عکس فگن ذہن میں ہے شعلہ نما کیا

آنکھوں کی تو مدّت سے تہِ آب تھی کشتی
اب دل کا سفینہ بھی کہیں ڈوب گیا کیا

جلوہ ترا مستور تھا مستور ہے اب بھی
دھوکے دیئے لیکن نگہِ شوق نے کیا کیا

تو ہی مجھے آواز دے اے حُسنِ حقیقی ہو
اب اپنا پتہ بھی نہیں تیرا تو پتا کیا

اس حُسن کی اقلیم میں اے حُسن کے مالک
اب تک نہ مرتب ہوا آئینِ وفا کیا

یہ نوحۂ ماتم ہے کہ آوازِ درا ہے
سوئے عدم اک قافلۂ زیست چلا کیا

ہنستی ہے مرے حال پہ کونین کی پستی
میں تیری نگاہوں کی بلندی سے گرا کیا

تو نے کبھی اے بربط و مضراب کے شیدا
ہچکی کے تصادم کا ترانہ بھی سنا کیا

اے موت بتا تنگ ہے محدود ہے محدود؟
اک میرے تنفس کے لئے ارض و سما کیا

صحرا میں بگولے ہیں بگولوں سے ہم آغوش
وحشی کوئی زنداں سے بیاباں کو گیا کیا

غنچوں نے جو نہی سانس لیا سینہ ہوا چاک
مسموم ہے یہ صحنِ گلستاں کی ہوا کیا

دیکھا تو بہت کچھ تھا مگر یاد نہیں اب
اے منتظرؔ اس بیخودیٔ شوق میں تھا کیا

امثال کے قصّے

(از مولانا تمکین کاظمی)

بڑھا تو امیر، گھٹا تو فقیر، مرا تو پیر

کسی شہر میں ایک صاحب معمولی حیثیت کے تھے جن کے دوست احباب میں ہنود کی تعداد زیادہ تھی۔ اتفاقاً وہ خاصے دولتمند بن گئے۔ دوست احباب کی خوب خاطر تواضع ہونے لگی۔ مگر دولت چند ہی سال کے بعد کھسک گئی اور ان صاحب نے فقیری اختیار کی۔ ترک لباس کرکے خانہ نشین ہو گئے۔ نذر و نیاز کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ مریدوں کی تعداد بھی خاصی ہو گئی۔ مدتوں یوں ہی گذری۔ آخر پیرومرشد کا وصال ہوگیا۔ خانقاہ ہی میں دفنائے گئے۔ مریدوں نے چوکھنڈی بنادی۔ بڑی دھوم سے عرس ہونے لگا۔ صندل، چراغاں سبھی کچھ ہوتا تھا چونکہ ہندو دوست آخر تک ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس لئے ان کے مریدوں نے عرس شریف میں ان حضرات کو بھی دعوت دی۔ اب جو انہوں نے اپنے دوست کی یہ کرامت دیکھی تو کسی ہندو کی زبان سے بے تحاشا نکلا "یار مسلمانوں میں تو بڑی کرامت ہے۔ بڑھا تو امیر، گھٹا تو فقیر، مرا تو پیر"

یو، پی کے ہندوؤں میں یہ ضرب المثل اب تک استعمال ہوتی ہے۔

بلوا بنانا

کسی شہر میں ایک غریب سپاہی رہتا تھا جسکی بیوی بڑی حسین و جمیل تھی۔ مگر سپاہی بیچارہ بے روزگار تھا۔ بیوی کے حسن و جمال پر ایسا لٹو تھا کہ اسے چھوڑ کر شہر سے باہر نہ جاتا تھا اور اس شہر میں کوئی نوکری اسے ملتی نہ تھی۔ بیوی حسن و جمال کے ساتھ سمجھ بوجھ کی بھی مالک تھی۔ انہیں مجبور کرنے لگی کہ کسی دوسرے شہر میں جاکر نوکری کرلو۔ مگر یہ بیوی کی صورت دیکھے بغیر کہیں کیسے رہ سکتے تھے۔ بالآخر بیوی نے اپنی ایک تصویر کھنچوا دی۔ کہ اسے روز دیکھ لیا کرو۔ اور کہیں جاکر نوکری کرلو۔ سپاہی صاحب مجبوراً تصویر کو سینے سے لگا کر گھر سے نکلے۔ ایک شہر میں پہنچ کر نوکری کرلی۔ اتفاقاً بادشاہ کی ڈیوڑھی پہ پہرہ پر مقرر ہوئے۔ دن بھر بیڑے میں بیٹھے خوش گپیاں کرتے۔ رات کو سب لوگوں کے سونے کے بعد اٹھکر تصویر نکالتے اور سامنے رکھکر اُس سے باتیں ہوتیں۔ بیڑے کے اور سپاہیوں نے اس تماشے کو دیکھا تو انہیں تصویر دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ صبح صبح یہ تھک کر سو جاتے تو سپاہی تصویر نکال کر دیکھ لیتے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اور بادشاہ نے بھی اسی طرح تصویر منگوا کر دیکھلی۔ چونکہ حسین عورت کی تصویر تھی اس لئے بادشاہ بھی لٹو ہوگئے۔ وزیر سے مشورہ کیا کہ کسی طرح اس عورت کو گانٹھیں۔ وزیر نے کہا۔ حضور یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اس سپاہی کو کسی دور مقام پر بھجوا دیتا ہوں۔ اور اس کے شہر کا نام اور گھر کا پتہ معلوم کرلیتا ہوں۔ حضور شکار کرتے ہوئے وہاں پہنچیں۔ بارہ روپلّڑی کے سپاہی کی جورو مارے فاقوں کے جینے سے بیزار ہوگئی ہوگی۔ حضور کے محل میں داخل ہونے کیلئے خوشی سے تیار ہو جائے۔ ساتھ لائیں گے۔

بادشاہ کو بھی یہ ترکیب پسند آئی۔ دوسرے روز وزیر نے سر دربار سپاہی کو بُلاکر ہزار ہزار اشرفی کے دو توڑے دئے۔ اور کہا کہ میاں سپاہی تم چند روز سیاحت کرو۔ ملکوں ملکوں پھر کر بلوے کا ایک جوڑا حضور کے لئے خرید لاؤ۔

میاں سپاہی توڑے لئے خوشی خوشی چلے سیدھے اپنے شہر کا رُخ کیا۔ تاکہ بیوی سے مل کر بلوے خریدنے جائے۔ گھر پہنچ کر سارا قصہ بیوی کو سُنایا۔ بیوی نے تاڑ لیا کہ اس میں کچھ نہ کچھ بھید ہے۔ میاں سے پوچھنے لگی کہ بادشاہ نے میری تصویر تو نہیں دیکھی۔ سپاہی نے کہا میں نے تو کسی کو نہیں دکھائی۔ میرے سوتے میں کسی نے چُرا کر دیکھا ہو یا بادشاہ کو دکھایا ہو تو اور بات ہے۔

بیوی نے انہیں مکان سے باہر جانے سے منع کردیا اور گھر ہی میں چھپا دیا۔ کہ اطمینان سے بیٹھے رہو۔ دیکھو آخر کیا ہوتا ہے۔ دوسرے ہی روز

رات کو کسی نے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ جھٹ بیوی نے دروازے پر جاکر پوچھا۔

"بھائی کون ہو؟ کیا کام ہے؟ گھر والے نوکری پر گئے ہیں۔"

باہر سے ایک شخص نے کہا "ہمیں گھر والے سے کوئی کام نہیں۔ ہم تمہارے لئے آئے ہیں۔ فلاں بادشاہ تم پر عاشق ہو گئے ہیں۔ میں ان کا وزیر ہوں۔ وہ میرے ساتھ تشریف لائے ہیں۔"

اُس نے کہا "زہے نصیب، جو بادشاہ سلامت اس باندی سے ملاقات فرمانا چاہتے ہیں۔ میں تو اس وقت اس قابل نہیں ہوں۔ کل رات بادشاہ سلامت رونق افروز ہوں تو میری خوش نصیبی۔ ذرا نہا دھو کر آدمی بن جاؤں گی۔ رات بھر لطفِ صحبت رہے گا۔"

بادشاہ اور وزیر دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے خوش خوش چلے گئے۔ بیوی نے میاں کو سارا قصہ سُنا دیا۔ صبح ہوتے ہی سپاہی کو بھیجا کر دو مزدور بلوائے اور صدر کے دالان میں ایک بڑا گڑھا کھدوا کر ایک دیگ میں سریشں پکا کر اس میں پرندوں کے پر ڈال کر اس گڑھے میں بھروا دیا۔ اور گڑھے پر سرکنڈے بچھا کر کاغذ رکھ کر مٹی ڈال دی۔ سارا گھر آراستہ کر کے خود نہا دھو کر کپڑے بدل کر بیٹھ گئی۔ سپاہی کو ایک کوٹھری میں بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔ رات کو حسب وعدہ بادشاہ معہ وزیر کے تشریف لائے۔ انہیں لا کر صدر میں جہاں گڑھا تھا بٹھا دیا۔ جونہی دونوں نے وہاں قدم رکھا گڑھے میں جا پڑے۔ سر سے پاؤں تک پر چمٹ گئے۔ اور دونوں اچھے خاصے بن مانس بن گئے۔ کوٹھری کھول کر میاں کو باہر بلوایا۔ اور دونوں نے ان دونوں کو گڑھے میں سے نکال کر کوٹھری پہنچا دیا۔ رات بھر بند کوٹھری میں یہ دونوں سڑتے رہے۔ اور میاں بیوی مزے سے سو رہے صبح کو سپاہی کو بھیجا کر دو بڑی بڑی زنجیریں اور کتے کے گلے میں ڈالنے کے پٹے اور ایک چھکڑا منگوا کر دونوں کے گلے میں پٹے ڈال کر زنجیریں باندھ دیں۔ اور چھکڑے میں بٹھا کر سپاہی سے کہا "یہ بلوے کا جوڑا ہے۔ احتیاط سے لے جا کر بادشاہ سلامت کے پاس پہنچا دینا۔ اور رات بھر نگرانی کرتے جانا۔ سپاہی نے دونوں بلوؤں کو چھکڑے پر لاد کر اس شہر کا رُخ کیا جہاں نوکر تھا۔ اور وہاں پہنچ کر بادشاہ سلامت کے ملاحظہ میں بلوے پیش کرنا چاہا تو معلوم ہوا بادشاہ معہ وزیر شکار کو تشریف لے گئے ہیں۔ مجبوراً محل ہی میں کھونٹے سے دونوں بلوؤں کا جوڑا باندھ دیا۔ سارے شہر میں خبر پہنچ گئی کہ بادشاہ نے بلوے کا جوڑا منگوایا ہے۔ تمام لوگ آ آ کر دیکھنے لگے۔ سارے محل والوں نے بھی دیکھا۔ مگر کوئی پہچان نہ سکا۔ کیونکہ پروں کے لپٹ جانے سے نہ تو چہرہ نظر آتا تھا اور نہ آنکھ ناک ہی۔ دن بھر یوں ہی گزرا۔ رات ہوئی تو بادشاہ سلامت نے ایک لونڈی کو اشارے سے بلا کر کان میں کہا کہ سب لوگوں کو ہٹا دے۔ اُس نے بڑی راز داری سے سب آدمیوں کو اِدھر اُدھر ٹال دیا۔ اور دونوں کو کھونٹے سے کھول کر محل میں لے گئی۔ صبح نہا دھو کر آدمی بنکر بادشاہ سلامت دربار میں تشریف لائے اور سپاہی کو یاد فرما کر بہت تعریف کی۔ اور فرمایا کہ ہم نے بلوے دیکھے۔ بڑا اچھا جوڑا ہے۔ تم نے بڑی محنت کی۔ دو ہزار اشرفی تمہیں انعام دی جاتی ہے۔ اب اپنے گھر چلے جاؤ۔ بلوے ہم نے جنگل میں چھڑوا دیئے ہیں۔ سپاہی خوش خوش دو ہزار اشرفیاں اور لیکر گھر پہنچ گیا اور میاں بیوی مزے سے زندگی بسر کرنے لگے۔

یہ مثل اس وقت کہی جاتی ہے جب کوئی شخص پرائی بہو بیٹی سے عاشقی کر کے پٹے یا نقصان اُٹھائے۔

(ماخوذ از ماہنامہ فصاحت)

شکستِ عہد

از جناب سیفی گنوری

قرار و قول تھا تم سے مگر میں آ نہ سکا
تمہاری انجمنِ خاص کو سجا نہ سکا
خلوصِ عشق کی افسوس داد پا نہ سکا
مرا قصورِ محبت معاف کر دینا
شکستِ عہد کا بیحد ملال ہے مجھ کو

حیاتِ عشق میں یہ اوّلیں گناہ ہوا
شکستِ عہد نہیں ظلمِ بے پناہ ہوا
وفا کا سلسلہ اک بات میں تباہ ہوا
مرا قصورِ محبت معاف کر دینا
شکستِ عہد کا بیحد ملال ہے مجھ کو

تمہیں جمالِ سحر کی قسم دلاتا ہوں
نزاکتوں کے اثر کی قسم دلاتا ہوں
شراب ریز نظر کی قسم دلاتا ہوں
مرا قصورِ محبت معاف کر دینا
شکستِ عہد کا بیحد ملال ہے مجھ کو

غزل

اب مرے ذوقِ محبت کی ہنسی ہونے لگی — دل میں مستحکم بنائے خودکشی ہونے لگی
کاش وہ اب کچھ دنوں یونہی نظر بدلے رہیں — بڑھ رہا ہے درد ایذا میں کمی ہونے لگی
ضبطِ اظہارِ محبت کا نتیجہ الاماں — بے زبانی ترجمانِ بے بسی ہونے لگی
اہلِ دل نے میرے سجدوں کو سراہا اس قدر — حد ہے تقلیدِ طریقِ بندگی ہونے لگی
اُن کے ملنے سے خوشی کو جاوداں سمجھا تھا میں — وہ مگر بدلے تو دنیا دوسری ہونے لگی
رونے والے ختم کر آنسو دعا کو ہاتھ اُٹھا — پڑ چلے پھیکے ستارے روشنی ہونے لگی
زندگی تقسیم ہے دو مختلف عنوان پر — گاہے غم ہونے لگا، گاہے خوشی ہونے لگی
کم سوادوں کو جو دیکھا مائل تنقیصِ عشق — زندگی خود پردہ دارِ زندگی ہونے لگی
میری قسمت سے کوئی بابِ مسرت کاٹ دے — کیونکہ اب اُن کو مرے غم سے خوشی ہونے لگی

مجھکو پہنچے ہیں وفاداروں سے وہ صدمے منیر
اب وفا کے نام سے شرمندگی ہونے لگی

جناب منیر چغتائی
لاہور

غزل

یہ کس مہجور کی آہ و فغاں ہے — ظفر، زیر و زبر سارا جہاں ہے
گھٹائیں ہیں، بہاروں کا سماں ہے — ابھی تک غالباً دنیا جواں ہے
ہوا ہے حل نہ اس کا ہو سکے گا — محبت چیستاں در چیستاں ہے
نظر آتے ہیں وہ کچھ مہرباں سے — حقیقت ہے کہ یہ میرا گماں ہے
جسے سُنکر وہ آہیں بھر رہے ہیں — یہ کس بے تاب دل کی داستاں ہے
لہو دل کا بہا ہے بن کے پانی — مری آنکھوں سے جو آنسو رواں ہے
چمکتی ہے یہ کیوں رہ رہ کے بجلی — چمن میں کس کا باقی آشیاں ہے
بنا جب سے ہوئی سجدوں کی قائم — ہمارا سر ہے اُنکا آستاں ہے
پتا یہ دے رہی ہے گرد اُٹھ کر — ابھی نزدیک میرا کارواں ہے

وہاں تک تو نہیں ہیں اے ظفر وہ
گزر میرے تصور کا جہاں ہے

از جناب ظفر کوٹیشوری

(ماہ جولائی سے آگے) سرّ اکبر سے ترجمہ

عارفوں کے پوشیدہ راز

رگ وید کی انترے اُپنشد

(از منشی گوری شنکر صاحب بھارگو۔ جے پور)

تمام چیزوں کی پیدائش سے پہلے تنہا آتما تھی۔ اُس نے چاہا کہ سرشٹی رچوں۔ اور یہ سب لوک پیدا کئے۔

اوّل یہ چار چیزیں پیدا کیں۔ آمبہ۔ مریچ۔ مرت اور آب آمبہ وہ پانی ہے جو سورگ سے اوپر ہے۔ مریچ وہ لوک ہے جو سورگ کے درمیان ہے۔ مرت یہ زمین ہے جس میں مرنے والے ہیں اور آب وہ پانی ہے جو زمین کے نیچے ہے۔ اس کے بعد پیدا کرنیوالے نے چاہا کہ اس زمین کے کہ جس کو پیدا کیا ہے بھی پیدا کی جاویں تاکہ بلا ان کے خرابی واقع نہ ہو جائے۔ اور اسی وجہ سے چاہا کہ لوک پال پیدا کرے۔ پانی میں سے ایک بڑا بھاری شریر نکلا۔ اس کے لئے آتما نے چاہا کہ منہ پیدا ہو۔ اور انڈے کی طرح ٹوٹ کر منہ ظاہر ہوا اور اس میں بولنے کی طاقت اور اس کا موکل آگ ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد ناک کے دونوں سوراغ کے شگاف اور اس میں سانس اور اس کا موکل ہوا ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد دونوں آنکھ کے شگاف اور ان میں دیکھنے کی طاقت اور اس کا موکل آفتاب ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد دونوں کانوں کے سوراغ اور ان میں سننا اور ان کا موکل سمت یا جہات ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد اس کے پوست سے چھونے کی طاقت اور بدن کے بال پیدا ہوئے۔ اور پھر تمام نباتات پیدا ہوئے۔ اس کے بعد سینہ ظاہر ہوا اور پھر اس میں دل اور اس کا موکل چاند ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد ناف ظاہر ہوئی جس پر پران اور اپان وایو ہیں۔ اس کے بعد رفع حاجت کا مقام اور اس کا موکل موت ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد عضو خاص توالد و تناسل اور نطفہ اور اس کا موکل پانی ظاہر ہوئے۔ اور یہ موکل کہ جو پیدا ہوئے تمام عالم کے نگاہ رکھنے والے ہیں۔

یہ موکل عالم سے پیدا ہونے کی وجہ سے عالم کی کہ جو گہرا دریا ہے قید میں پڑے اور ان کو بھوک اور پیاس کی قید میں باندھا گیا۔ اور انہوں نے آتما سے کہا کہ ہمارے لئے جگہ مقرر کر کہ جہاں رہ کر ہم کھائیں اور پئیں گائے کی صورت ظاہر ہوئی۔ آتما نے کہا کہ اس میں رہکر کھائیں اور پئیں۔ موکلوں نے کہا کہ یہ ہمارے لائق نہیں۔ گھوڑے کی صورت ظاہر ہوئی کہ اس میں رہکر کھائیں اور پئیں۔ موکلوں نے کہا کہ کھانے کے لحاظ سے گائے میں بہت نفع ہیں اور انسان کے لحاظ سے گھوڑے میں بہت نفع ہیں۔ مگر یہ بھی ہمارے لائق نہیں۔ اس کے بعد صورت آدم ظاہر ہوئی تاکہ اس میں رہ کر کھائیں اور پئیں۔ موکلوں نے کہا کہ یہ اچھی جگہ میسر آئی اس وجہ سے کہ نیک کام کرنے والی یہی صورت ہے۔

اس کے بعد آتما نے موکلوں سے کہا کہ اپنی اپنی جگہ جائیں۔ آگ گویائی ہو کر منہ میں۔ ہوا پران ہو کر ناک میں۔ آفتاب بینائی ہو کر آنکھ میں۔ جہات شنوائی ہو کر کان میں۔ موکل نباتات بال ہو کر پوست میں موکل ماہ دل ہو کر سینہ میں۔ موکل مرگ اپان ہو کر ناف میں۔ اور موکل آب نطفہ ہو کر آلہ تناسل میں آیا۔ جب یہ موکل اپنی اپنی جگہ آگئے۔ تو بھوک اور پیاس نے آتما سے کہا کہ ہمارے کھانے کا بھی انتظام کیا جائے آتما نے کہا کہ تم کو ان موکلوں کے شریک کیا جاتا ہے۔ تم اپنے حصہ کو ان سب سے اس طرح لو کہ جو کوئی موکلوں کو بھینٹ دے تم اس میں شریک ہو کر اپنا حصہ لو اور جب تک تم شریک نہ ہو گے موکل بھینٹ (قربانی) کو قبول نہیں کریں گے۔

پیدا کرنے والے نے پھر خیال کیا کہ عالم اور عالم کے گرسنگی و تشنگی ان کو دی تو ان کے کھانے پینے کیلئے بھی کچھ پیدا کرنا چاہیئے۔ پانی کی طرف نگاہ کی اور اس میں صورت سکون و حرکت پیدا کی۔ جب یہ صورت پیدا ہوئی یہی غذا بن گئی۔ مگر جب اس نے جانا کہ میں سب

کی خوراک ہوں تو روئی۔ اس صورت آدم نے کہ جس میں حواس کے موکل آئے تھے چاہا کہ گویائی کے ذریعہ سے غذا لے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو غذا کا نام لینے سے کہنے والا سیر ہو جاتا۔ اسی طرح اگر بذریعہ لیتا تو غذا کے سونگھنے سے۔ اگر بذریعہ بینائی لیتا تو غذا دیکھنے سے اگر شنوائی سے لیتا تو غذا کی خبر سنکر۔ اگر بذریعہ لمس لیتا تو غذا چھونے سے۔ اور اگر بذریعہ دل لیتا تو غذا کا خیال کر لینے سے۔ اگر بذریعہ آلہ تناسل لیتا تو لذت صحبت سے سیر ہو جاتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ مگر جب چاہا کہ اپان وایو سے جو منہ میں آکر پران وایو ہو جاتی ہے، غذا کو لے، تو لے سکی اور کھا سکی۔ پس یہ اپان وایو غذا کو لینے والی اور ہضم کرنے والی ہے۔ تاہم اپان کی حیات بھی یہی غذا ہے۔

پیدا کرنے والے نے پھر خیال کیا کہ میں نے یہ سب چیزیں پیدا کیں۔ مگر بغیر میرے سب کام کاج کیسے چلیں گے۔ اور کس راہ سے بدن میں داخل ہوں۔ پران خود پاؤں کے ذریعہ سے آتا ہے تو مجھکو تو خاص راستہ چاہیئے۔ منہ سے گویائی اپنا کام کرتی ہے۔ ناک سے بو پائی۔ آنکھ سے بینائی کان سے شنوائی اور پوست سے لامسہ کام کرتے ہیں۔ دل اپنا کام سوچ وچار سے، اپان وایو راہ مخصوص سے کام کر رہے ہیں۔ ان راستوں سے میں کیسے کام کروں۔ اس وقت سر کے اوپر کے خط میں جو بال کے دونوں حصہ کو جدا کرتا ہے۔ سوراخ کر کے کھوپڑی میں ہو کر آتما بدن میں داخل ہوئی اسی وجہ سے اس دروازے کے نام بدرت (ہنگامہ شدہ) اور ناندن (راہ سر) ہوئے۔ دیگر دروازے جو حواس کے آنے کے ہیں جو خادم ہیں اور یہ راستہ سر کا آتما کے آنے کا جو سب کا بادشاہ ہے۔

اِس بادشاہ کے لئے بدن میں تین جھروکہ ہیں کہ جن کو اوستھا کہتے ہیں۔ اور اس کے یہ بھی گھر ہیں اور وہ بھی۔ حالت بیداری میں۔ حالت خواب میں اور حالت خواب بآرام میں آتما شریر میں ہے۔ اور جبکہ آتما اس دروازے سے داخل ہو کر عناصر میں ملی۔ جیو آتما کہلائی۔

پھر خیال آیا کہ میں وہی جیو آتما ہوں یا اور کچھ۔ گرد کی سیوا میں پہنچا اور اس کو سمجھایا تو اس نے اس جیو آتما کو چدا کاش کی طرح ہر جگہ پھیلا ہوا پایا۔ اور جب ان سب کو آتما نے دیکھا۔ تو اس دیکھنے والے کا نام اندرا (इन्द्र) ہوا۔ اور چونکہ فرشتے ہر بات پردہ سے کہتے ہیں تو انہوں نے اس اندرا کو اندر کہا۔

حمل جو پیدا ہوتا ہے وہ باپ کی کمر میں ہے۔ اور نطفہ ہے۔ یہ نطفہ تمام اعضاء اور اجزائے بدن کا تتو ہے۔ نطفہ باپ کی کمر میں بلا لحاظ اس کے کہ پیٹ میں ہوتا ہے۔ اپنی نگاہ آپ رکھتا ہے۔ اور جب باپ کی کمر سے ماں کے بطن میں آتا ہے۔ ایک ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ پہلا جنم ہے۔ چونکہ دوسرے عضو ماں کے تھے۔ اس لئے یہ سب ماں کے ایک عضو ہو گئے۔ چونکہ تو جو خود نطفہ ہو کر بیوی کے بطن میں آیا۔ اس لئے بیوی کو نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ خود ہی اس میں مل جاتا ہے۔ بلکہ اس پر (بیوی پر) مہربانی کرتا ہے۔ اور بیوی بھی چونکہ شوہر اس میں آیا ہے اسکی پرورش اور حفاظت کرتی ہے۔ جب اس حالت میں بیوی پرورش کرنے والی اور حفاظت کرنے والی اپنے شوہر کی ہے تو شوہر کو بھی چاہیئے کہ اپنی بیوی کی پرورش اور حفاظت کرنے والا ہو۔ عورت اپنے شکم میں بچہ کی حفاظت اور پرورش کرتی ہے اور شوہر بھی اپنے عمل سے جو وید نے قرار دیئے ہیں اور دعا سے بچہ کی پرورش کرتا ہے۔ باپ کی حفاظت بچہ پیدا ہونے سے پہلے اور پیچھے اگر سچ پوچھو اپنی حفاظت ہے۔ کیونکہ اس عمل سے اس کی جنم دنیا میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اور جب وضع حمل ہوا یہ دوسرا جنم ہے۔ پس اس دنیا میں عمل کنندہ باپ ہوا۔ اور جب وہ اس عمل سے فارغ ہوا اور بوڑھا ہو گیا۔ اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں منزل کی۔ یہ تیسرا جنم ہے۔ ورنہ وہی باپ ہے جو پہلے اپنی کمر میں نطفہ تھا۔ پھر ماں کے پیٹ میں آیا۔ دنیا میں پیدا ہوا اور پھر دوسری دنیا میں چلا گیا۔ وید میں ایک جگہ لکھا ہے کہ بامدیو نے کہا کہ میں نے ماں کے پیٹ میں موکلاں حواس کے درجہ تعیناتی کو جان لیا تھا۔ اور میں بھی پیدائش اور موت کے بند میں پڑ گیا تھا۔ مگر ان کو معرفت کی طاقت سے توڑ کر اس باز کی طرح نجات پائی کہ جو جال کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اڑ گیا۔ یہ باتیں بامدیو نے ماں کے پیٹ میں کیں۔ جو شخص بامدیو کی طرح ان باتوں کو سمجھتا ہے۔ اس شریر سے چھٹکارا پا کر سورگ پاتا ہے اور تمام باتوں کو پا کر مکتی پاتا ہے۔

خریداروں کی خدمت میں اِلتماس

"دستگیر" ہر ماہ دس تاریخ تک خریداروں کو مل جاتا ہے۔ ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ ملنے کی صورت میں دفتر کو اطلاع دیں تاکہ دوبارہ بھیجا جا سکے کیونکہ خریدار صاحبان کے نام دو تین چار رجسٹروں سے مقابلہ کرنیکے بعد "دستگیر" سپرد ڈاک کیا جاتا ہے اسلئے رسالہ نہ ملنے کی صورت میں خریداروں کو مقامی پوسٹ آفس سے بازپرس کرنی چاہیئے۔ خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ تاکہ تعمیل میں دیر نہ ہو۔ (منیجر)

قدرت کے محافظ صحت ذریعے

(از جناب حکیم عبدالرحیم رحمانی جلال آباد ضلع مظفر نگر)

خالق کائنات نے انسان کو راحت و آرام کے حصول اور تکلیف و ضرر کے رد و دفع کا مادہ ودیعت فرمایا ہے۔ کسی اچھی چیز کی طرف رجحان اور مکروہ شے سے نفرت ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ یہ دیکھی بات ہے کہ جو چیز ایک شخص کے واسطے باعث مسرت و راحت ہو۔ وہی دوسرے کے لئے ضرر کا سبب ہو۔ سمجھ ناسمجھ اور بے شعور ہونے کے باوجود تکلیف یا آرام دینے والی شے سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ کسی خونخوار جانور کی بھیانک آواز سننے کے بعد ہم اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ ہمارا دشمن ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی نامرغوب و نامطبوع بو تو قوت شامہ اس کا ادراک و احساس کر کے اس سے متنفر ہو جاتی ہے۔ الغرض جسم کو بیرونی مصائب و صدمات سے بچانے کے لئے قدرت نے ہمیں فہم و ادراک۔ عقل سلیم اور حواس خمسہ عطا فرمائے ہیں۔ اور ہم اپنے ایسے دشمنوں سے جو ہمیں نظر آسکتے ہیں ہر طرح بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر بعض مہلک و موذی دشمن ایسے بھی ہیں جو ہمیں حواس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتے ہیں۔ اور ان کا وجود ہمارے لئے نہ صرف باعث تکلیف و مرض ہے بلکہ ان کا بعض حملہ ملک الموت سے بھی روشناس کرا دیتا ہے ہمارے یہ دشمن "جراثیم" کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ یہ مخلوق اس قدر ننھی ہوتی ہے کہ ظاہری آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی ہے۔ مگر قدرت نے ان سے محفوظ رہنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہمارے جسم میں ہی بنا دیا ہے یعنی ہر حیوان کے جسم میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ اور جب یہ جراثیم مرض حملہ آور ہوتے ہیں تو ان سے یہ قوت جنگ کرتی ہے۔ اس جنگ میں اگر یہ قوت غالب آجاتی ہے تو صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اگر جراثیم مرض اس قوت کو مغلوب کر لیتے ہیں تو حیوان ہمدوش اجل ہو جاتا ہے۔ جسم کی اس قوت کو قوت حیات کہتے ہیں۔ طبعی طور پر یہ قوت دیگر حیوانات کے مقابلہ میں حضرت انسان میں بہت عمدہ اور بہتر ہوتی ہے۔ ہر انسان میں اور انسان کی ہر حالت و عمر میں یہ طاقت یکساں نہیں ہوتی ہے۔ اور بعض مقامی اور عمومی اسباب و عادات سے یہ قوت کمزور ہو جاتی ہے۔

چونکہ موجودہ زمانے کا طریق تمدن اور طرز معاشرت بالکل غیر طبعی اور مصنوعی ہے۔ بڑے بڑے شہروں کی آبادیاں گنجان اور مکانات بہت تنگ و تاریک ہوتے ہیں۔ جن میں صاف و تازہ ہوا اور روشنی کا گزر نہیں ہوتا۔ حصول معاش کے واسطے انتہائی جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ جس میں قوت حیات کافی خرچ ہوتی ہے۔ اور اس کوشش بسیار کے بعد بھی اتنی اجرت حاصل نہیں ہوتی کہ جس سے زندگی و صحت کو برقرار رکھنے کے وسیلے مہیا کئے جاسکیں۔ اور قوت حیات کی کمی کا بدل مل سکے۔ ان پر طرہ یہ کہ اس زمانے کی مہذب سوسائٹی کے ارکان آداب یعنی سگرٹ نوشی مے خواری، کوکین نوازی اور زناکاری وغیرہ ایسے مخرب اخلاق اور مضر صحت طریقے ہیں کہ ان کی برکت سے جو بھی مہلک امراض پیدا ہو جائیں وہ کم ہیں۔ انہی وجوہ سے جسمانی قویٰ کمزور اور قوت حیات ناقابل مقابلہ ہو جاتی ہے۔ اور کوئی نہ کوئی بیماری حملہ کرتی رہتی ہے۔ قوت حیات کی بقا و افزائش اور صحت و زندگی کی حفاظت و قیام کیلئے آسان اور کم خرچ طریقہ یہ ہے کہ قدرت کے بخشے ہوئے عطیات (ہوا، روشنی پانی، سادہ غذا) سے خوب نفع اندوز ہوں۔ طریقہ معاشرت اور وسیلہ زندگی فطری اصول پر قائم ہو۔ جنسی اختلاط میں میانہ روی اختیار کی جائے کھانے پینے کی اشیا سادہ طریقہ پر تیار کی جائیں۔ شراب، سگرٹ وغیرہ سے پرہیز کریں۔

ہوا چونکہ صحت و حیات کی افزائش و بقا اور امراض سے حفاظت کا سب سے پہلا ذریعہ ہے۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے ہمیشہ صاف، تازہ اور کھلی ہوئی ہوا میں رہنا چاہیئے۔ ہوا کی آمد و رفت کے واسطے کمروں میں کھڑکیاں اور کشادہ دروازے رکھنے چاہئیں۔ سوتے وقت بھی ایک دروازہ یا کھڑکی ضرور کھلی رہنے دیں۔ تازہ اور خالص ہوا کے حصول کے واسطے روزانہ صبح کو سبزہ زاروں اور کھلے میدانوں میں سیر و تفریح کرنی چاہیئے۔

سورج کی روشنی بھی بیماریوں کی روک تھام، قوت حیات اور تندرستی

کی حفاظت وترقی میں بہت بڑی مددگار ہے۔ عہد قدیم سے سورج کو زندگی وصحت کا سرچشمہ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اب جدید تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حیاتین و سورج سے بکثرت حاصل ہو سکتی ہے۔ بیماریوں کے جراثیم کو فنا وہلاک کرنے کیلئے سورج کی روشنی ایک کارگر آلہ ہے۔ اس لئے صبح کے وقت سورج کی حیات پرور اور جاں بخش شعاعوں سے ضرور متمتع ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر بے بٹ (Babit) نے سورج کی نفع بخشی اور اہمیت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ

"قدرت کی لیبوریٹری میں سورج سب سے بڑا شفا بخش آلہ ہے جن لوگوں کو اپنی صحت عزیز ہے ان کو اس کی صحت آفریں کرنوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے جس طرح جن نباتات تک سورج کی روشنی نہیں پہنچتی ہے وہ نشو ونما سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ قدرت کے اس صحت آفریں آلہ سے مستفید نہیں ہوتے وہ بھی مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔"

ہندوستان میں یہ دونوں قدرتی عطیے یعنی ہوا اور سورج کی روشنی دیگر ملکوں سے زیادہ مقدار میں جاری وساری ہیں۔ اگر ہر ہندوستانی صرف انہی دو نعمتوں سے صحیح طریقے پر پابندی کے ساتھ فائدہ اٹھاتا رہے تو بڑی حد تک امراض سے نجات مل سکتی ہے غافل انسان کو نباتات کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ جن پودوں کو صاف اور کھلی ہوئی ہوا اور سورج کی روشنی پورے طور پر حاصل ہوتی ہے وہ ان پودوں کی بہ نسبت جو تنگ وتاریک مقامات پر ہوتے ہیں، اور ان تک سورج کی روشنی اور صاف وتازہ ہوا آزادانہ طریقہ پر نہیں پہنچتی ہے بخوبی پھولتے پھلتے ہیں۔

علاوہ بریں امور مندرجہ ذیل کی پابندی کو بھی اپنا شعار و معمول بنانا چاہیئے۔

ہمیشہ پانی پاک وصاف پیا کریں۔ کیونکہ اکثر مہلک بیماریاں میلا اور گندہ پانی پینے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اپنے جسم ولباس کو ہمیشہ صاف رکھیں۔ روزانہ غسل کریں۔ روحانی صفائی کے لئے مذہبی عبادت ضرور کریں۔ مکان فراخ وکشادہ۔ صاف ہوادار اور روشن ہونا چاہیئے۔ تنگ وتاریک اور گندہ مکان بیماریوں کا گھر ہوتا ہے۔ غذا عمدہ مقوی، لطیف اور زود ہضم موسم ومزاج کے مطابق کھائیں۔ غذائیں سادہ طریقہ پر تیار کی جائیں۔ ہمیشہ خوش وخرم اور چست وچالاک رہیں۔ بیکاری کی بجائے کام میں مشغول رہنا چاہیئے۔ ترش روئی اور تلخ نوائی بھی صحت کی "دشمن" ہے۔ روزانہ سیر وتفریح کریں۔ دن بھر میں ایک مرتبہ قہقہہ سے ہنسنا بہترین صحت پرور نسخہ ہے۔ نیند وبیداری میں بھی احتیاط واعتدال کو پیش نظر رکھیں۔

تجلیاتِ اختر

(از حضرت اختر نگینوی مدظلہ)

علاجِ دردِ محبت کیا کیا نہ کیا — مریضِ عشق کا کیا ہے جیا جیا نہ جیا

کسی نے جرعۂ صہبا دیا دیا نہ دیا — بچا کچا کوئی ساغر پیا پیا نہ پیا

وہ بے نیاز ہوں میں اے خیالِ عریانی — کہ چاکِ جیبِ گریباں سیا سیا نہ سیا

بہارِ حسن کسی کی سمائی آنکھوں میں — نظارۂ گل وگلشن کیا کیا نہ کیا

تسلیاں دلِ مضطر کو آپ ہی دے لو — کبھی کسی نے دلاسا دیا دیا نہ دیا

وہ امتحانِ وفا تھا، لیا تھا جو ہم نے — یہ امتحانِ جفا ہے لیا لیا نہ لیا

جب اپنا شوق جب اپنا ہی مدعا ٹھیرا — کسی کے سامنے ظاہر کیا کیا نہ کیا

مریضِ غم سے ہی اے چارہ گر تجھے اغماض — یہاں یہ حال ہے دم بھر جیا جیا نہ جیا

رہی نہیں کوئی افسردگی سے دل کی امنگ — پیامِ عشق کسی کو دیا دیا نہ دیا

وہ بات ایک ہی تم نے قرار یاد لئے — یا دیا نہ دیا۔ یا لیا لیا نہ دیا

یہ ضبطِ درد نہیں اپنے بس کی بات اختر

ہوا ہوا نہ ہوا۔ یا کیا کیا نہ کیا

”بڑھاپا“
کس طرح گذارنا چاہئیے

بڑھاپا زندگی کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ یہ موت کا آغاز اور انتہائے زیست کی ابتدا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی رشتۂ عمر کو دراز کرنے کا بھی ایک خاص وسیلہ ہے۔ یہ قوت حیات کو بڑھاتا نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ جوانی کی طرح شعلۂ زندگی کو زیادہ تیزی سے نہیں جلنے دیتا۔ اگر بڑھاپے میں انسان کی قویٰ کمزور نہ ہوتیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کا پیمانۂ عمر جلد چھلک جاتا۔ مگر بڑھاپا انسان کو نحیف و ناتوان کر کے اس قابل نہیں چھوڑتا کہ وہ اپنے اعمال و افعال زندگی کو تیزی اور مستعدی سے انجام دے سکے۔

بڑھاپے کا یہ فلسفہ ذرا دقیق اور عمیق ہے۔ ہم اپنا مطلب واضح تر کرنے کے لئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بڑھاپے میں قوت حیات بہت کچھ کمزور ہو جاتی ہے۔ اور جلد بحال بھی نہیں ہو سکتی۔ یعنی اس کا بدل مایتحلل جلد نہیں بن سکتا۔ اگر بڈھے انسان میں جوانی کی سی مستعدی۔ سرگرمی۔ چستی۔ چالاکی، طاقت و توانائی باقی رہتی۔ اور وہ اپنے تمام وظائف جسمانی شباب کیسی تیزی و تندی سے انجام دیتا۔ تو یقین کامل تھا کہ اس کا پیمانۂ عمر بہت جلد لبریز ہو جاتا، بڑھاپے کی خصوصیت کی وجہ سے طبعی چستی اور ذکاوت حسن بہت کم ہو جاتی ہے۔ جس سے اعضائے بدن داخلی و خارجی ہیجان کے اثر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مختلف قویٰ کا صرف و ضیاع کم ہو جاتا ہے۔ زندگی کا شعلہ تیزی سے نہیں جلتا۔ اور بوڑھا انسان اپنی بچی کھچی قوتوں کے ذخیرہ پر تکیہ کر کے موت کا زیادہ دیر تک مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے انسان کی عمر جوں جوں بڑھتی جاتی ہے اس کی جسمانی کمزوری شعلۂ حیات کو تیزی سے نہیں جلنے دیتی۔ اور رشتۂ عمر قدرے طول پذیر ہو جاتا ہے۔

جب اعضاء میں اشتعال و ہیجان کے زیادہ قبول کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ تو مضر صحت اور مورث امراض اسباب کے اثرات بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔ نہ جذبات زیادہ بھڑکتے ہیں نہ طبیعت میں ضرورت سے زیادہ گرمی آتی ہے۔ قلب میں سکون اور اعضائے اندرونی کے وظائف میں ہمواری پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم انسان اکثر امراض کی زد سے بچا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑھاپے میں متعدی و وبائی بیماریاں بوڑھوں کا اتنا شکار نہیں کرتیں جتنی کہ جوانوں پر دست درازیاں کرتی ہیں۔

اس بارے میں انسان کا طرز زندگی بھی کچھ کم اہم نہیں، کیونکہ اس پر بھی رشتۂ حیات کی لمبائی اور کوتاہی منحصر ہے۔ ایک جوانی فعل جو مدتوں ایک ہی طریقے اور ایک ہی انداز پر علی التواتر سرانجام پاتا رہا ہے وہ یہاں تک جزو طبیعت ہو جاتا ہے۔ کہ اگر اس کے دوسرے اسباب محرکہ کمزور یا بند بھی ہو جائیں۔ تو یہ طبیعت کے تقاضے سے خود بخود انجام پاتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر وہ طرز زندگی پہلے ہی سے ممد حیات ہے۔ تو ضرور ہے کہ ایسے شخص کا رشتۂ حیات دراز ہو۔ ورنہ اس کے برعکس۔

اگر انسان قدیم طرز زندگی کو نہ بدلے تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوگی کہ بڑھاپے کی بے حد ناتوانی بھی موت کو آسانی سے اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیگی۔ بعض اوقات بڑھاپے میں روحانیت فی الحقیقت مردہ ہو جاتی ہے۔ اور انسان نباتات کی طرح زندگی کے نفس پورے کرتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی احتیاجات زندگی بہت قلیل ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے اسکی طبیعت میں زندگی کی محبت بڑھتی جاتی ہے۔

پس اگر بڑھاپے میں مناسب تدابیر سے کام لیا جائے تو یہ نہ صرف عصائے پیری کا کام دیں گی۔ بلکہ درازی عمر کے بارے میں بہترین سہارا ثابت ہونگی۔ لیکن چونکہ ان میں اور عام قوانین حفظ صحت میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بعض ایسے اصول و قواعد یہاں بیان کر دیں جن کا سن پیری میں ملحوظ رہنا از بس ضروری ہے۔ اس بارے میں

ذیل کے اصول سب سے زیادہ اہم اور قابل لحاظ ہیں :۔

عروق بدن کی صلابت و خشکی کے دور یا کم کرنے کے لئے مناسب احتیاطیں برتی جائیں۔ کیونکہ بالآخر یہ تمام نظام جسم کو درہم برہم کردیتی ہے جس کا نتیجہ موت ہوتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جسم میں ہر لحظہ تحلیل کا سلسلہ جاری رہتا ہے پس جو کچھ ضائع اور تحلیل ہو چکا ہے۔ اسے بحال کرنے کی کوشش میں کوتاہی سے کام نہ لینا چاہیئے۔

بڑھاپے میں چونکہ مستعدی طبعاً کم ہو جاتی ہے اسکے لئے ضرورت کے مطابق اسباب محرکہ پیدا کرنے چاہئیں۔ تاکہ انسان بالکل ہی اپاہج نہ ہو جائے۔

بڑھاپے میں جسم کی حرارت غریزی زوال پذیر ہو جاتی ہے مصنوعی طریقوں سے اسے قائم و بحال رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

بڑھاپے میں فاسد و مضر مواد و فضولات جسم سے اچھی طرح خارج نہیں ہوتے۔ ان کے نظام جسم سے اخراج کی مکمل تدابیر عمل میں لانی چاہئیں اس لئے کہ یہ رطوبات جسم کو فاسد غلیظ اور مکدر کرکے موت کو قریب تر لے آتی ہیں۔

اصول بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر قواعد ذیل کی پابندی کی جائے تو بہت مفید ہو :۔

(۱) حرارت غریزی کو مصنوعی طریقوں سے برقرار رکھنے کے لئے گرم پوشاک کا استعمال کیا جائے۔ گرم کمروں میں بود و باش ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو زیادہ سرد ممالک یا آب و ہوا کی بجائے معتدل ہوا میں سکونت اختیار کی جائے۔

(۲) اشیائے خور و نوش لطیف، قوی اور زود ہضم ہونی چاہئیں۔ جن میں غذائیت زیادہ ہو۔ اگر ٹھوس کی بجائے سیال اغذیہ کا استعمال زیادہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ جوانی کی بہ نسبت بڑھاپے میں زیادہ محرک غذاؤں سے کام لینا چاہیئے۔ گرم گرم مقوی اور مصالحہ دار شوربے اور یخنیاں بڑھاپے کے لئے بہت موزوں غذائیں ہیں۔

(۳) نیم گرم غسل حرارت غریزی کو ترقی دینے کا اچھا ذریعہ ہے علاوہ بریں اس سے جلد کے فضولات کے اخراج میں بہت مدد ملتی ہے اور جسم کی خشکی اور صلابت دور ہو جاتی ہے۔

(۴) جب تک حالات خصوصیت سے اس امر کے متقاضی ہوں۔ قوی استفراغات سے مجتنب رہو۔ مثلاً فصد نہ لو۔ قوی مسہلات یا معرقات کا استعمال نہ کرو۔ حسن و عشق کی الجھنوں سے بچو۔ یہ باتیں رہی سہی قوتوں کو کمزور کرتی اور بدن کی یبوست بڑھاتی ہیں۔

(۵) معمر اشخاص کو وظائف حیات کی انجام دہی میں باقاعدگی کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہیئے۔ کھانا پینا، حرکت، سکون، حوائج ضروریہ اور دیگر اشغال [illegible] وقت اور ترتیب کی قیود کا مدنظر رہنا ازبس ضروری ہے۔ زندگی کے اس مرحلہ پر یہ کام اگر ایک سلسلہ نظام اور ترتیب کے ماتحت انجام پائیں تو طول عمر کے لئے نہایت مفید ہے۔

(۶) ورزش کو ضروری ہے۔ لیکن سخت اور تھکا دینے والی ریاضت سے پرہیز کریں۔ ایسی ورزش میں کوئی حرج نہیں جس میں جسم کو خود زیادہ حرکت اور تکلیف نہ کرنی پڑے۔ مثلاً گاڑی میں بیٹھ کر ہوا خوری اور اکثر مالش کراتے رہنا درازی عمر کے لئے نہایت منفعت ہیں۔ مالش کے لئے اگر قوی اور خوشبودار روغنوں اور ضمادوں سے کام لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔ اس سے جلد کی خشونت اور صلابت دور ہو کر ملائمت آجاتی ہے۔ سخت جسمانی صدمات سے بچنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ بالعموم موت کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

(۷) ہمیشہ خوش و خرم رہنا چاہیئے۔ انشاط آور تفریحی سامان اس کا بہترین ذریعہ اور درازی عمر میں بحد ممد و معاون ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قوی جذبات کی طوفان خیز موجیں کشتی دل کو ڈانواں ڈول کرکے اچانک موت کا باعث ہوتی ہیں۔ ایام ماضی کی خوشگواریاں، یاد مستقبل کا تسلی بخش خیال اور خانگی خوشی و خرمی کا روح افزا نظارہ غیر معمولی اسباب مؤیدحیات ہیں۔

اس قسم کے خیالات بڑھاپے میں جبھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ کہ انسان اپنے ہی گھر میں معصوم اور نوعمر بچوں سے زیادہ خلا ملا رکھے۔ کیونکہ ان کی طفلانہ حرکات اور معصومانہ کھیل کود ایک حد تک بڑھاپے کی کلفتیں دور کر دیتے ہیں۔ امید افزا مشاغل اور سامان زندگی کا خیال تو سیع بھی اس بارے میں خصوصیت سے ممد ہیں۔ مثلاً ایسی نئی نئی تجاویز کی جائیں یا ایسے نئے نئے کام مدنظر ہوں جن میں خوف و خطر اور پریشانی کا عنصر موجود نہ ہو۔ تو ان خیالی مصروفیتوں میں قدرے عمر بڑھ سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بڑھاپے میں انسانی فطرت ان باتوں کے لئے بعض اوقات مجبور ہوتی ہے۔ کوئی مکانات کی تعمیر شروع کرتا ہے کوئی باغات لگواتا ہے۔ کوئی رفاہ عام کے اور خیراتی کاموں میں دلچسپی لیتا ہے۔ تاکہ اس کی زندگی کا سہارا قدرے قوی ہو جائے۔

بڑھاپے میں تارک الدنیا ہونا اور روحانیت کی طرف شدت سے رجوع ہونا بہت اچھا عمل ہے۔

اداکاریاں

نول بی، اے

پہلے آپ

اداکار:۔ شمیم۔ واسطی۔ لیلا۔ جیون۔ ڈکشٹ۔ انور۔ وِدّیا وغیرہ

موسیقار:۔ نوشاد

گانے:۔ مدھوک

ڈائرکشن:۔ اے، آر، کردار

روحانی واہتزازی مکالمے۔ روح پرور موسیقی۔ دلکش فوٹوگرافی۔ معیاری ڈائرکشن اور مستعل کہانی سے اے، آر، کردار کی یہ پیش کش فلمی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

پنّا دائی

اداکار:۔ درگا کھوٹے۔ چندرموہن۔ مینا کشی۔ مبارک۔ آنددی ایم اسمٰعیل۔ بے بی ملینی۔ ماسٹر وٹھل۔ بے بی دیوی۔ خان مستانہ۔ لیلا مشرا۔ پھاٹک۔ سرلا۔ گوپے۔ گلاب وغیرہ

کہانی:۔ دیوان شرر

موسیقار:۔ جنن دت

ڈائرکشن:۔ رام دریانی

پروڈیوسر:۔ کملا بائی۔

پردیپ پکچرز کی یہ تواریخی تصویر بیتے زمانہ کی یاد دلائیگی۔ توقع ہے کہ یہ سحر انگیز فلم سال رواں کی بہترین فلم ہوگی۔

ہمایوں

اداکار:۔ اشوک کمار۔ چندرموہن۔ شاہ نواز۔ مجید انصاری۔ وینا۔ نرگس وغیرہ

سینریو:۔ آغا جانی کاشمیری

فوٹوگرافی:۔ فردوں ایرانی

موسیقار:۔ غلام حیدر

ڈائرکشن:۔ محبوب

ایک ہی راستہ۔ عورت۔ روٹی اور نجمہ جیسے عظیم الشان شاہکار پیش کرنے والے محبوب اب "ہمایوں" مکمل کر چکے ہیں۔ اس فلم کی نمائش سے ثابت ہو جائیگا کہ محبوب صف اول کے نگراں فن کاروں میں سے ہیں۔

پھول

اداکار:۔ پرتھوی راج۔ وینا۔ واسطی۔ ستارہ۔ مظہر خاں۔ ثریا۔ یعقوب۔ درگا کھوٹے۔ ڈیکشٹ۔ ایم اسمٰعیل۔ اشرف خاں مجید وغیرہ۔

موسیقار:۔ غلام حیدر

ڈائرکشن:۔ آصف

پروڈیوسر:۔ عبداللہ

فیمس فلمز کی اس انوکھی فلم سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ سنا ہے اس پر کافی روپیہ اور وقت صرف کیا گیا ہے۔

کلیاں

اداکار:۔ موتی لال۔ لیلا ڈیسائی۔ رمولا۔ رام چندر۔ سلوچنا چٹرجی۔ گیانی۔ رام دلاری۔ امرناتھ۔ لیلا مشرا۔

ڈائرکشن:۔ کیدار شرما۔

دیکھیں کلیاں کیونکر چٹکتی ہیں اور بھونروں کی کیا بہار رہتی ہے۔

من کی جیت

لیڈنگ رول میں نینا ہے۔ جوش ملیح آبادی نے گانے اور مکالمے لکھے ہیں۔ ترقی پسند ادب کے حامی کرشن چندر نے اس رومانی فلم کی کہانی گھڑی ہے اور مکالمے لکھے ہیں۔

ڈبلیو زیڈ احمد کی اس پیشکش سے بھی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں

آرہی ہیں

بمبئی ٹاکیز کی "چار آنکھیں" اور "جوار بھاٹا"۔

پرکاش کی "گوپیا" اور "وکرمادت" — پربھات پکچرز کی "امنگ" واڈیا مووی ٹون کی "کرشن بھگت بودنا"

فضلی برادرز کی "عظمت" – فلمستان کی "چل چل رے نوجوان"

مُجرّباتِ خصوصی

اندر پرستھ دواخانہ یونانی۔ دریبہ کلاں دہلی

زیر سرپرستی

عالیجناب خورشید الحکماء حکیم پنڈت ترلوک ناتھ صاحب اعظم جلال آبادی

پدما پلز بواسیر خواہ نیا ہو یا پرانا۔ خونی ہو یا بادی۔ ہر حالت میں مفید ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوا دیکھنے میں نہیں آئی۔ متواتر استعمال سے بواسیر کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔ قیمت فی شیشی عگر

پیام شفا پیٹ کے درد۔ بدہضمی، کھٹی ڈکاروں کا آنا۔ کلیجہ کی جلن بھوک کا ہوکا۔ جسم کا بھاری پن۔ خوراک کا باقاعدہ طور پر ہضم نہ ہو کر جزو بدن نہ ہونا۔ انتڑیوں میں کچی خوراک کا عرصہ تک پڑے رہنے کی وجہ سے سڑتے رہنا۔ اور ردّی ابخرات کا اٹھکر دماغ اور دل کی طرف رجوع کرنا۔ امراض لطیفہ میں مفید ہے۔ قیمت للعہ۔ خوراک ایک گولی صبح اور ایک شام بعد از غذا ہمراہ آب سرد۔

پُرکیف سرعت انزال۔ جریان، احتلام۔ گردہ مثانہ کی کمزوری دماغی کمزوری۔ پنڈلیوں میں اینٹھن۔ کاہلی۔ اکانت پسندی۔ ہر کس و ناکس سے شرمانے کی عادت۔ مجامعت میں شرمساری خوف و رنج وغیرہ حالتوں میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ ہزارہا لوگ مستفید ہو چکے ہیں۔ قیمت فی شیشی ۳۰ گولی چھ روپے۔ ایک گولی صبح و شام بعد از غذا ہمراہ آب سرد۔ پرہیز:۔ تیل، کھٹائی وغیرہ

پُر تاثیر دست اور پیچش میں اس کا استعمال انتڑیوں کی حفاظت اور جگر و معدہ کے افعال کو درست کرتا ہے۔ دست اور پیچش خواہ نئے خواہ پرانے ہوں۔ دونوں حالتوں میں مفید ہے۔ خون اور آنؤں کو بند کرتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۳۰ گولی تین روپے۔ ایک گولی صبح و شام ہمراہ آب سرد۔ خوراک دہی چاول۔

راحت النساء مستورات کی جملہ اندرونی امراض کا خاص علاج ہے بانجھ پن، لیکوریا، خون حیض کی زیادتی، جسم کا ہر وقت ٹوٹتے رہنا پستانوں میں ہاتھ لگانے سے درد محسوس ہونا۔ سر کا چکرانا کمر کا درد، بدہضمی، جگر، و رحم کی تمام خرابیوں کا واحد علاج۔ قیمت فی شیشی للعہ۔ ایک چمچہ صبح و شام ہمراہ دودھ۔ پرہیز تیل، کھٹائی، سرخ مرچ۔

تلسی جل شیرخوار بچوں کی پرورش ماں کے دودھ اور تلسی جل کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ تمام ولایتی دودھ اور ولایتی ٹانک بیکار ہیں۔ اپنے بچوں کو تلسی جل کا استعمال ہمیشہ جاری رکھیں جب تک کہ ان کی خوراک ماں کا دودھ ہے۔

اس کا اثر معدہ اور انتڑیوں کی اندرونی جھلی پر خاص طور پر ہوتا ہے اس لئے چھوٹے بچے بدہضمی، پیچش، ہرے پیلے دست اور دودھ اُلٹنے کے عارضہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ قبض کبھی نہیں ہوتی اور دانت نہایت آسانی سے بلا تکلیف نکالتے ہیں۔ تلسی جل کا استعمال دماغ اور پٹھوں کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ اس لئے جو بچے ہر وقت روتے رہتے ہیں اور چڑچڑی طبیعت کے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ (ترکیب استعمال) ایک ماہ سے تین ماہ تک ½ چھوٹا چمچہ ۳ ماہ سے ۶ ماہ تک ایک چمچے سے دودھ میں ملا کر پلائیں۔ دو سال تک دو چھوٹے چمچے۔ دن میں تین مرتبہ۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ

شاہ پسند مرضِ موٹاپہ کی خاص دوا۔ آج کل یہ مرض بسیار خور اور عیش و عشرت کی زندگی کا نتیجہ ہے۔ عورتوں میں تو یہ مرض سا چھا

اُن کی خوبصورتی تندرستی اور نزاکت طبعی کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہاں اُن کی اولاد پر بھی اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے اس لئے تندرستی اور خوبصورتی کے خواہشمند مرد اور عورتوں کو طبعی حالت سے بڑھتے ہوئے وزن کو کم کرنے کیلئے فوراً اس کا استعمال شروع کر دینا چاہیئے۔ اس کے استعمال سے غیر قدرتی بڑھا ہوا وزن کم ہو جاتا ہے۔ چربی خون میں تبدیل ہونے لگتی ہے بدن میں چستی آتی ہے اور جسم سڈول ہو جاتا ہے۔ قیمت ۶۰ گولی آٹھ روپے

(ترکیب استعمال) ایک گولی صبح ایک شام بعض حالتوں میں ۲ گولی صبح شام ہمراہ آب گرم۔ مرغن اغذیہ سے پرہیز۔

(نوٹ) دستوں کی مرض میں اس کا استعمال ممنوع ہے۔

دوائے کرامات

مرض دمہ کیلئے اکسیر جیتر ہے۔ جب تک اس دوا کا علم نہیں تھا۔ اطباء مرض دمہ کو لاعلاج خیال فرماتے تھے مگر اب تو آپ اس دوا کے استعمال سے سینکڑوں مریضان دمہ کو اچھا کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے کسی دوست یا رشتہ دار کو یہ نامراد مرض لاحق ہو تو دوائے کرامات کی سفارش کیجئے۔ قیمت ایک ماہ کے لئے چوبیس روپیہ

(ترکیب استعمال) نمبر ایک سے نمبر پندرہ تک بتدریج شروع کریں ایک پُڑیہ روزانہ بکری کے دودھ کے ساتھ یا شربت انجبار میں ملا کر چاٹیں اسی طرح دوسرے کورس میں نمبر ا سے نمبر ۵ تک استعمال کریں۔ ہر پُڑیہ کی مقدار بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے اور ہر خوراک میں ایک نئی دوا کا اضافہ ہوتا ہے۔

دریائے حیرت

اجزاء۔ کافور، گندھک، نوشادر، پودینہ اجوائن۔ ست لوبان وغیرہ۔ فوائد اس کے بے شمار ہیں۔ دافع تعفن ہونے کی وجہ سے ہر عفونتی مرض میں استعمال ہو سکتا ہے۔ محرک و مقوی افعال کی وجہ سے پیٹ، جگر اور دل کی خرابیوں میں مفید ہے۔ کاسر الریاح ہونے کی وجہ سے درد معدہ درد قولنج وغیرہ۔ ریاحی امراض میں مفید ہے۔ ہیضہ میں خاص طور پر فائدہ مند ہے قے و دست خواہ بدہضمی کی وجہ سے ہوں خواہ کسی مقامی خرابی کی وجہ سے ہر حالت میں مفید ثابت ہوتی ہے سفر و حضر میں ہمیشہ پاس رکھنا چاہیئے۔ ہر عیالدار کے گھر میں موجود رہنی چاہیئے۔ وقت پر آپ کو ایک ہوشیار طبیب کا کام دیگی۔ ہر عمر و موسم میں استعمال کر سکتے ہیں۔

(ترکیب استعمال) بوقت ضرورت ایک سے پانچ قطرہ تک پانی میں ملا کر یا شکر سفید میں ملا کر استعمال کریں۔ بیرونی استعمال کیلئے ایک دو قطرے سر درد، دانت درد وغیرہ کی حالت میں ماؤف حصہ پر لگائیں۔ زہریلے جانور کے کاٹنے اور چوٹ موچ وغیرہ کی حالت میں بیرونی طور پر ایک دو قطرے کی مالش کریں۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ

سوا رسائن رحم برد

ملاحظہ مستورات کی اندرونی امراض کہنہ ورم رحم، رحم کا ٹل جانا۔ بچہ دانی کی کمزوری۔ جریان الرحم (لیکوریا) قبض کی خرابی۔ خصوصاً حیض کا کثرت سے آنا۔ اولاد کا کمزور اور دائم المریض پیدا ہونا۔ یا پیدا ہوتے ہی اولاد کا ضائع ہو جانا رحم کا اندر سے گرم رہنا۔ ہاتھ اور پاؤں کی جلن، سر کا چکر آنا، جسم کا لاغر اور دبلا پن، خون کی کمی۔ ہاضمہ کی خرابی، کمر کا درد، پنڈلیوں میں کھچاوٹ حیض سے تین چار روز پہلے۔ کمر میں درد۔ ہاتھ لگانے یا چھونے سے پستانوں میں درد، مزاج کا ضدی اور چڑچڑاپن۔ ذکی الحس اور عصبی مزاج کی عورتوں میں نہایت ہی مفید۔ ہسٹریا (غشی کے دورے) کے لئے بہت اعلےٰ درجہ کی مقوی دوا ہے۔

(ترکیب استعمال) ایک گولی صبح و شام دودھ سے استعمال کریں۔

(پرہیز) تیل، کھٹائی، سرخ مرچ (گھی دودھ کا استعمال کثرت سے کریں)

سن بلوغت میں اس کا استعمال مفید ہے۔ موسم برسات اور موسم سرما میں زیادہ مفید ہے۔ اشد ضرورت کے موقعہ پر ہر موسم اور ہر عمر میں استعمال کر سکتے ہیں۔ قیمت ۴۰ گولی چھ روپے

سفلینا

مرض آتشک خواہ کتنا پُرانا کیوں نہ ہو۔ ایک ہفتہ کے اندر جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔ اور خون صاف ہو کر جسم کندن کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ قیمت ایک ہفتہ کے لئے چودہ روپے

(ترکیب استعمال) ایک کیپ شول صبح و شام بغیر چبائے پانی کی مدد سے حلق کے نیچے اُتار لیں۔ تمام قسم کے انجکشن وغیرہ اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ پرہیز کچھ نہیں۔

طلسم اعظم

(قوت مردمی کے لئے اعلیٰ درجہ کی طلسمی دوا)

محرق اور مقوی ہونے کی وجہ سے فرحت لاتی ہے رگ و ریشہ میں تازگی کوٹ کوٹ کر بھر دیتی ہے۔ جگر اس کے استعمال سے درست طریقہ پر اپنا کام سرانجام دینا شروع کر دیتا ہے۔ قوائے نفسانی اور قوائے شہوانی پر اس کا اثر نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اندرونی اور بیرونی قوت کو نشو و نما دینے میں اس کا پورا پورا دخل ہے۔ پہلا ہضم جو کہ وارد معدہ ہونے کے ٹھیک نصف گھنٹہ بعد شروع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہلکا سرور طبیعت میں جولانی ارادوں میں بلندی، خواہ مخواہ طبیعت کام کی طرف مائل ہوتی ہے۔ دن بھر کی محنت سے تھکے ہوئے اعصاب کو از سر نو تر و تازہ کرتی ہے چنانچہ خون پیدا کرنے میں بے نظیر، مادہ تولید کو کثرت سے پیدا کرتی ہے اور اس کو طبعی قوام کی حالت میں گاڑھا کر کے لذت پیدا کرتی ہے شہوانی اور عقلی جذبات کو برانگیختہ کر کے دنیوی لذت کی طرف مائل کرتی ہے۔ قوت

باہ کو ہیجان میں لاتی ہے۔

قوائے ہاضمہ کے تمام افعال درستی پر آجاتے ہیں۔ پہلا، دوسرا تیسرا اور چوتھا ہضم نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے خراب سے خراب اور ردی سے ردی قسم کی کھائی ہوئی خوراک سے بھی عمدہ ترین کیمیاوی اجزاء فولاد، چونا، فاسفورس وٹامن وغیرہ حاصل کر کے خون، اعصاب اور اعضاء رئیسہ پوست گوشت اور ہڈیوں کی خوراک بنانے میں پوری پوری مدد دیتی ہے۔ اس واسطے دماغی، جسمانی، رُوحانی مشاغل میں دن رات مشغول رہنے والے حضرات نے اسکی بارہا تعریف کی ہے۔ قوت باہ کے لئے تو اس سے بڑھکر دُنیا کے طب نے آج تک کوئی دوا ایجاد نہیں کی۔ واقعی یہ ایک طلسم ہے۔ دوا نہیں اعجاز ہے۔ مُنہ بولتا ہوا جادُو ہے۔

(ترکیب استعمال) ایک گولی صبح و شام بعد از غذا ہمراہ آب سرد یا دودھ۔ بیس بائیس سال کے بعد ہر عمر میں استعمال کر سکتے ہیں۔ موسم سرما اس کے استعمال کیلئے بہترین وقت ہے۔ اشد ضرورت کی حالت میں نصف مقدار میں ہر موسم میں استعمال کی جا سکتی ہے۔ قیمت بارہ روپے

طلائے اعظم

قوت مردمی کے لئے بیرونی استعمال کیلئے نہایت ہی اعلیٰ نسخہ۔ جلق، اغلام، لاغری۔ کجی عصبی کمزوری کی حالت میں اس کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ یہ راز کے نسخہ جات ہیں جو یہ دواخانہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ۔ قیمت فی شیشی چھ روپے

اکسیر الامراض البطنیہ

یہ سچ ہے کہ تمام امراض اکثر اوقات پیٹ کے کسی نہ کسی حصہ کی خرابی کی وجہ سے شروع ہو جاتے ہیں۔

اکسیر الامراض البطنیہ ذیل کے امراض کا شافی اور کامیاب ترین علاج قرار پا چکی ہے۔ سنگرہنی، باؤگولہ، ضعف جگر۔ ضعف معدہ۔ ورم امعاء (انتڑیوں کی سوجن) گردہ، مثانہ کے جملہ امراض۔ جگر، تلی اور مرارہ۔ لبلبہ کے امراض پیٹ میں دیرینہ دورے سے ہونے والے درد۔ پیٹ کی دق۔ اپنڈے سائٹس (ورم زائد الاعور) کا بلا اپریشن کے کامیاب علاج ہے۔ ہزاروں مریضوں پر استعمال ہو چکی ہے اور قیمتی اجزا اور مشکل ترکیب ہونے کی وجہ سے نایاب ادویات میں شامل ہے۔ پیٹ کے پرانے سے پرانے امراض میں مبتلا ہو کر حکیم ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے بغیر سوچے سمجھے اس دوا کا استعمال کرنا شروع کر دیجئے کہنہ سے کہنہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ امراض میں تسکین کا باعث ہو گی۔ مایوس مریضوں کو ایک مرتبہ اسے ضرور آزمانا چاہیئے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے ذریعہ کئے ہوئے علاج کے معاوضہ میں ہزاروں روپے کے انعامات حاصل کر چکے ہیں۔

(ترکیب استعمال) ایک گولی صبح و شام بعض حالتوں میں نصف گولی صبح و شام قبل از غذا ہمراہ آب سرد۔ قیمت ۵ گولی ۴ھ

جواہر پارہ

جواہرات کو کیمیاوی ترکیب سے تیار کیا جاتا ہے۔ حد درجہ کا مقوی باہ جوہر ہے۔ راجوں مہاراجوں اور صاحب استطاعت لوگوں کے استعمال کی چیز ہے۔ ایک سے زیادہ عورتیں جس کے پاس ہوں وہی اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی مقوی باہ ادویات میں شمار کی جاتی ہے۔

(ترکیب استعمال) ایک گولی صبح و شام ہمراہ دودھ۔ قیمت فی ماشہ عـ۲۰

تریاق معدہ

پیٹ کی تمام خرابیاں جو کہ تیزابی مادہ کی زیادتی کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں۔ گرانی شکم۔ بھوک کی کمی دل کی دھڑکن۔ سر میں چکر، کمر میں درد، چہرے کی زردی۔ طبیعت کا مضمحل رہنا۔ ہلکا ہلکا [illegible] درد، پیشاب کی زیادتی، کھٹی کھٹی ڈکاریں آنا۔ گاہے قبض گاہے دست۔ غرضیکہ ان سب کا باعث ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے تیزابی مادہ کی زیادتی۔ اس دوا کے استعمال سے تیزابی مادہ موقوف ہو جاتا ہے۔ اور مرض رفع ہو جاتا ہے ایک ماشہ سے تین ماشہ تک دوا کو تھوڑے پانی میں حل کر کے دونوں وقت خوراک کے درمیان پی لیا جائے۔ قیمت فی شیشی آٹھ آنے (۸/)

دہلی کا سرمہ

اعلیٰ درجہ کا روزمرہ کے استعمال کی چیز ہے۔ دُھندُ جالا، رُوہے (ککرے) پُھولا۔ ناخونہ، موتیا بند وغیرہ کے لئے از حد مفید ہے۔

قیمت فی تولہ ۲۸ روپے

〃 ۶ ماشہ ۱۵ روپے

〃 تین ماشہ ۸ روپے

ملنے کا پتہ:-

منیجر اندر پرستھ دواخانہ یُونانی۔ دریبہ کلاں دہلی

[illegible]

[illegible]



As shimmering

as moonlight



Noor Jehan

As disturbing

as a conscience